از
سلطان حیدر جوش

نوائے فرید

مؤلفہ

محمد سلطان حیدر جوش (علیگ)

مطبوعہ نظامی پریس بدایوں

نظام الدین حسین پرنٹر

سنہ ۱۹۱۷ء

بار اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد ۸

فہرست مضامین

III

دیباچہ

زمانے تین ہوتے ہیں ماضی حال اور استقبال۔ زمانۂ گزشتہ تاریخ ہے۔ موجودہ کا حال روشن ہے اور مستقبل کو نتیجۂ حال کہنا چاہیئے۔ فن تاریخ نے اسلاف کے کارنامے بیان کرنے کے صرف تین طریقے استعمال کئے ہیں بلحاظ زمانہ بلحاظ علم اور بلحاظ ذات یعنی ایک ممتاز و قابل تذکرہ شخص کے متعلق تاریخ میں انہیں تین طریقوں سے ذکر کیا جاتا ہے مثال کے طور پر حضرت فاروق اعظم کو لیجئے اول بلحاظ زمانہ اگر خلافت کا دور اولین لیا جائے تو جناب فاروق اعظم کے کارنامے دیگر خلفاء راشدین کے ساتھ نظر آویں گے لیکن صرف اُسیقدر جسقدر کہ اُس دَور سے متعلق ہیں۔ دوم بلحاظ علم اگر تہذیب اسلام فتوحات اسلام تمدن اسلام میں سے کسی کی تاریخ لکھی جائے تو حضرت فاروق اعظم کا نام نامی اس حد تک ضرور معرض تحریر میں آئے گا جس حد تک

ب

اُن کے کارنامے اس خاص شعبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔
سوم بلحاظ ذات یعنی براہ راست حضرت فاروق اعظم کے مدت العمر کی جد وجہد جو اُنھوں نے ہر شعبہ اور ہر رنگ میں کی ہو مجموعی طور پر دکھائی جائے۔ یہ آخری طریقہ "سوانح عمری" کے نام سے معنون کیا جاتا ہے۔ سوانح عمری سے عام طور پر اسلاف انسانی کے فرد واحد کے کارنامے۔ اُس کی جد وجہد کے نتائج اُس کے تجربات اُس کی لغزشیں سب کچھ معلوم ہو سکتی ہیں اور یہ معلومات کُل نسل انسانی کو عموماً اور اس خاص قوم کو جس سے صاحب سوانح عمری تعلق رکھتا ہو خصوصاً فائدہ بخش اور سبق آموز ہو سکتی ہے۔ ہر قوم اپنے دائرہ قومیت سے وابستہ ہے اور اس دائرہ کے ممتاز افراد کو دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کرتی اور ثابت کرتی ہے کہ اس قوم نے بذریعہ اپنے قومی سربرآوردہ اسلاف کے انسانی تہذیب و تمدن میں تعلیم و معاشرت میں کس درجہ جدّ وجہد کی ہے اور آنے والی نسلوں کے لئے اپنے نتائج چھوڑ کر کس حد تک احسان کیا ہے ہر قوم اپنے اسلاف سے مانوس ہوتی ہے اور ایک حد تک اُن کی پرستش کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسی جذب

محبت نے عرصہ ہوا کہ مجھے یہ خیال دلایا کہ اپنے مورث
اعلیٰ اور بانیٔ شیخوپور نواب فرید کی سوانح عمری لکھوں ۔
میرا ذخیرۂ معلومات صرف چند خاندانی چٹھوں اور قلمی تذکروں
پر مبنی تھا جو میراث کے طور پر میرے خاندان میں اور میرے
پاس موجود ہیں ۔ شیخوپور ضلع بدایوں کی آبادی حضرت فرید
گنجشکر رح کی اولاد کی ایک مشہور اور پرانی بستی ہے اور میرا تمام
خاندان شیوخ فریدی الفاروقی سے منسلک ہے جو بتوسل
حضرت بابا فرید گنجشکر رحمتہ اللہ علیہ حضرت عمر فاروق اعظم
رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارے خاندان
نے بھی دیگر پرانے نجیب الطرفین خاندانوں کی طرح اپنا
شجرہ نسب ہمیشہ قایم و محفوظ رکھا ہے اور اب تک یہ اسپرٹ
قایم ہے ۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے علم تاریخ کا وہ حصّہ
جہاں سے وہ حوالہ مطبع ہونا شروع ہوا ہے فی الحقیقت
مختلف دماغوں کے جمع کردہ قلمی تذکرات کی دوسری صورت
ہے لیکن ہیں ہر واقعہ کی جو اِن تذکروں میں درج ہے
مستند مطبوعہ تواریخ سے تصحیح و تصدیق کر لینا ضروری سمجھتا تھا

اول تو مجھے وہ تمام کتابیں جن سے حوالے لئے جاتے اور حالات و واقعات معلوم ہوتے دستیاب نہ ہو سکیں اور پھر تمام واقعات کو مختلف تواریخ سے جمع کرنا ایک کام تھا جسکی مجھے دنیوی تفکرات اور مشاغل زندگی اجازت نہ دیتے تھے بہرحال پھر بھی میں کوشش میں سرگرم رہا مایوسی کوشش نے پورے دس سال تک میرے خیال کو صورت وجودی اختیار نہ کرنے دی میں مایوس ہو جاتا تھا مگر ہمت نہ ہارتا تھا میرا جذب صادق ہمیشہ میری مایوسی پر غالب اور یہی خیال ہمیشہ میرے دماغ میں چکر لگاتا رہا اور اخگر پژمردہ کو یاد اسلاف کا وقتاً فوقتاً کوئی نہ کوئی تیز جھونکا شرر افشاں کرتا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے یہ دیکھکر کہ میرے عزیز ترین عزیزوں میں جب بفضلہ ایک ایسا شخص موجود ہے جس کی قابلیت انشاء پردازی ادبی دنیا میں سکہ بٹھا چکی ہے اور جس کے زور قلم کو اردو داں پبلک تسلیم کر چکی ہے کیوں نہ یہ کام اُس کے سپرد کر دوں اور کیوں نہ اسکی تکمیل کا اُسے ذمہ وار ٹھہرادوں چنانچہ برادرم عزیز سلطان حیدر جوشؔ سے جن کی ذات پر مجھے بجا طور سے فخر ہے میں نے ذکر کیا اور یہ کام اُنہیں کی سپرد کر دیا۔

طبیعت جدت پسند کو اشارہ کی ضرورت تھی فوراً آمادگی ظاہر کی
اور اس کوشش میں سرگرم ہو گئے۔ کتب تواریخ کے جمع کرنے میں جن
مشکلات کا سامنا ہوا اس کا اندازہ وہی حضرات خوب کر سکتے ہیں
جو خود مورخ ہیں یا جن کو اس قسم کی تحقیقات کا کبھی خیال پیدا ہو چکا ہے
خدا خدا کر کے چند کتب تواریخ مہیا ہو سکیں اور برادر موصوف سال
بھر تک جس جانفشانی و پریشانی سے ورق گردانی کر کر اس کتاب
کو یا میرے خیال و تمنا کو جامۂ وجود میں لائے ہیں وہ داد و شکریہ
کی محتاج نہیں کتابیں زیادہ تر ہمیں دہلی پبلک لائبریری سے ملی
ہیں میرے عم مکرم حضرت حکیم احمد جان صاحب مرحوم رئیس شیخوپور نے
نہایت تحقیق و دقت نظری کے ساتھ خاندانی حالات کے متعلق
ایک جامع اور مبسوط کتاب لکھی تھی جس کو ان کی وفات پر ایک
بزرگ خاندان نے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے افسوس ہے کہ باوجود
کوشش و طلب کے وہ کتاب ہمیں دیکھنے کو نہ مل سکی ورنہ بہت
کچھ مفید اضافہ نواب فرید کی سوانح عمری لکھنے میں ہو جاتا تاہم بہت
سے فراخ دل اصحاب نے کسی قسم کی مدد دینے میں کوتاہی نہیں
کی سب سے پہلے سید محفوظ علی صاحب بی اے علیگ رئیس
بدایوں ہیں جنھوں نے اکثر کتب تواریخ کے نام بتا کر ہماری

رہبری کی پھر خان بہادر مولوی رضی الدین صاحب
مؤلف کنز التاریخ جنہوں نے اپنے کتب خانہ سے ماثر الامرا
اور عالمگیر نامہ چند دنوں کے لئے مستعار دیدیا میں ہر دو اصحاب
کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - برادرم شیخ محمد صادق اور
شیخ احمد حسین اور اقبال غنی صاحبان کی عنایت کا اعتراف
کرنا میں ضروری سمجھتا ہوں جن کی بدولت بیش بہا فرامین
اور جواہر فریدی مل سکے - شیخ طیب محمد اور منظور حسین صاحبان
نے اس کوشش میں جس دلچسپی کے ساتھ اپنا وقت
دیا اور چند شبانہ روز کتب تواریخ کے نوٹ لینے میں
ہمارے ساتھ محنت کی اُس کا خاص اثر میرے دل پر ہے
بزرگ و افسر خاندان عالیجناب خان بہادر شیخ محمد عبد الغفار
صاحب مجسٹریٹ و چیرمین میونسپلٹی بدایوں اور میرے
برادران حقیقی اور قوت بازو مسٹر وحید احمد اور مولوی محب احمد
صاحبان نے اس کتاب کی تکمیل میں جو دلچسپی لی اور
وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے مدد کی اُس کا شکریہ
نہ ادا کرنا بھی بیجا ہے - اس فرض سے سبکدوش ہو کر اب
مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ "نواب فرید" کی تالیف

میں جن کتابوں سے واقعات اخذ کئے گئے ہیں اُن کی فہرست دیدینا مناسب ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ سند کس وقعت اور پایہ کی ہے میرے خیال میں اس سے بڑھکر معتبر حالات و واقعات کا ملنا کم از کم موجودہ دسترس سے باہر ہے۔

نمبر۱ - قلمی تاریخ خاندانی۔
نمبر۲ - تزک جہانگیری۔
نمبر۳ - اکبر نامہ ابوالفضل۔
نمبر۴ - جہانگیر نامہ
نمبر۵ - بادشاہ نامہ مؤلفہ ملا عبدالحمید لاہوری۔
نمبر۶ - عالمگیر نامہ۔
نمبر۷ - منتخب اللباب خافی خاں۔
نمبر۸ - ماثر الامرا ر تیموری مصنفۂ صمصام الدولہ۔
نمبر۹ - خطبات احمدیہ مصنفہ سرسید احمد خاں
نمبر۱۰ - Wheelers History of India
نمبر۱۱ - Description & Historical accounts of N.W.P. Vol. 5 by E.T. Atkinson & H. C. Conybeare I.C.S

نمبر ۱۲- Settlement Report of 1873

نمبر ۱۳- District Gazetteer Vol 15 Budaun by H. R. Nevill I. C. S. F. R. G. S.

بہر حال اس تمہید کے ساتھ یہ اوراق "نواب فرید" کے نام سے ملک اور قوم کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جن کو شیخ فرید نواب اخلاص خاں و احتشام خاں کی سوانح عمری کہا جا سکتا ہے حقیقت میں دربار سلاطین تیموریہ کا ایک قلم انداز و شکستہ باب ہے زمانے کی دستبرد اور ناموافقت نے بیشمار ممتاز و قابل تذکرہ حضرات کے کارنامے ایسے تلف کر دئے ہیں کہ اُن حضرات کا نامِ نامی بھی پردۂ گمنامی میں روپوش ہو گیا ہے اس ناقدر شناسی کی ذمہ دار ہماری مردہ قوم کی بدمذاقی ہو یا اور کچھ اس میں شک نہیں کہ موجودہ لیل و نہار میں جس ممتاز فرد قوم کو قعر گمنامی میں ڈوبنے سے بچا لیا جاوے اور جو کچھ بھی اُس کے کارناموں سے ہم پہنچ سکے حوالہ قلم کر دیا جاوے تو ایک قابل قدر اضافہ ہو گا چنانچہ اس کوشش کے ساتھ ساتھ نہایت خوشی کی بات ہے کہ برادر عزیز محمد سلطان حیدر

صاحب جوش نے اپنی جدّت طرازی کو قایم رکھکر تاریخ کی خشکی کو پُرلطف دلچسپی میں تبدیل کر دیا ہے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ یہ اپنی قسم کی پہلی سوانح عمری ہے جو اس خاص رنگ میں لکھی گئی ہے۔ داستاں پاستان کے طرح طرح سے دُہرانے نے اگر قوم میں وہ جوہر پیدا کر دیا جس نے اسلاف ممتاز کو آجتک زندہ رکھا ہے تو گویا مردۂ صد سالہ از سرِ نو رحمت صورت آفریں سے زندہ ہوگیا یا یہ مختصر محنت کم از کم نواب فرید کی موجودہ اولاد کو عزت حقیقی اور عزت نمایشی کا فرق سمجھانے اور دلنشین کرنے میں کسی حد تک بھی کارآمد ثابت ہوئی تو میں سمجھلوں گا کہ ناچیز کوشش ایک چیز ہوگئی ورنہ اللہ باقی من کل فانی۔

خاکسار

سیّد محمد ہوش

شیخوپور۔ بدایوں

۲۷ اکتوبر ۱۹۱۶ء

حضرت بابا فرید گنجشکرؒ

کا

نامِ نامی نہ تو کسی شہرت و تعارف کا محتاج : اور نہ یہ ناچیز محنت
اس زندۂ جاوید نام سے منسوب کئے جانے کے قابل :

مگر

دلِ عقیدت کیش و سعادت مند مجبور کرتا ہے کہ ان اوراقِ پریشاں
کو اُسی پیشوائے روحانی کے سامنے بصد ادب پیش کردوں !
شاید کہ بقائے دوام کا راز اسی میں مضمر ہو !

"جوشؔ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

آباؤ اجداد

بس ناموربزیرزمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند!!

حضرت فاروق اعظم کی مجمع کمالات ذات نے، اپنے زمانۂ خلافت کے طرزِ عمل سے، مسلمانوں میں توحید پرستی اور اشاعت وحدانیت کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ مٹھی بھر نفوس ہرقل و دارا سے، قیصر و کسریٰ سے، کسی گردن کش حکمراں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے! اور تمام دنیا کی مخالفت یا مشرق سے مغرب کا سفر، انہیں اعلانِ کلمۂ حق سے نہیں روک سکتا تھا! مسلمان ایک طاقت تھے، بے نظیر: ایک آندھی تھے، عالمگیر! وحدانیت کی بجلی۔ ان عرب فدائیانِ اسلام کی تلواروں سے۔ کبھی مصر میں چمکتی تھی تو کبھی اسپین میں: کبھی روم میں گرتی تھی تو کبھی فارس میں! رحمتِ حق کا بادل۔ عرب تارکانِ وطن کی صورت میں

افریقہ، یورپ، ایشیا، اور دنیائے قدیم کی ہر سربرآوردہ سلطنت پر صدیوں چھایا رہا! عرب جیسے بنجر و جاہل ملک سے علوم و فنون کے ایسے دریا بہ گئے جو ایک طرف تو افریقہ شمالی و اُندلس کو سیراب کر گئے اور ایک طرف چین و تاتار، ہندوستان و ایران، قریب قریب کُل ایشیا کو سرسبز بنا گئے!

فتوحاتِ اسلام کے تیز رفتار دریا، منبعِ عرب سے مختلف اوقات میں نکلے، مختلف سمتوں میں بہے، خاص مدت تک کسی حصّہ زمین کو سیراب کرتے رہے، اور حادثاتِ زمانہ سے پامال ہو کر یا تو معدوم ہو گئے یا حکومت کی فوقیت سے محروم ہو کر اُس ملک کے تمدن و معاشرت میں غرق ہو گئے! تارکانِ وطنِ عزیز کی مختلف موجوں میں سے خود فاروقِ اعظمؓ کی اولاد تھی جو کئی پشتوں تک سرفروشانِ توحید کی رنگ میں اعلاءِ کلمۂ حق کی خدمت سر ہتیلی پر لئے کرتی رہی اور مدینہ منورہ کی گز بھر زمین خواب راحت کے لئے پاتی رہی: مگر انقلاب کے ساتھ یہ وحدانیت پرست اولادِ فاروق عرب کو الوداع کہکر دومتہ الصغرے[۱] آئے۔ اور کئی پشتیں وہاں بھی نقشِ قدم کی طرح

---

(۱) شیخ واعظ الاصغر بن شیخ واعظ الاکبر پہلے شخص تھے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر ملاحظہ ہو)

چھوڑ کر کابل[۲] پہنچی! کہیں تجارت کا اکلِ حلال کفیل و معاون رہا اور کہیں سلطنتِ خود مختار کی فارغ البالی مقصدِ عظیم کے حصول میں سیدھے ہاتھ کا کام دیتی رہی! جب چنگیز خاں کی خون آشام تلوار نے غزنی و کابل کو پامال کیا تو اولادِ فاروق کے چند نفوس مبتلائے سرگردانی ہو کر کابل سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوئے اور ہندوستان[۳] پہنچے! قاضیٔ قصور کی مہمان نوازی نے اس خانماں برباد بے قصور جماعت کو ٹھہرایا اور شاہ وقت تک پہنچایا! اسی جماعت میں شیخ جمال الدین سلیمان - ابنِ شیخ شعیب - بھی تھے جو ملتان کے قریب قصبۂ کوٹھوال - یا - کوٹھوال - میں سکونت پذیر ہوئے: مولانا وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶) جنہوں نے مدینہ منورہ سے رومنۃ الصغرے کو - عہد خلافت عباسیہ میں نقلِ مکان کیا!

نمبر ۲ - شیخ احمد - معروف بہ فرخ شاہِ کابلی - روم سے بغرض تجارت کابل آکر وہاں کی حالت کا اندازہ کر گئے تھے - اسی وجہ سے بعد میں پوری جمعیت سے کابل پر لشکر کشی کی اور تاریخ بتاتی ہے کہ فتح کر کے سلطنتِ کابل کی باگ ہاتھ میں لی!

نمبر ۳ - شیخ شعیب بن شیخ احمد - چنگیز خانی انقلاب کی بدولت ہندوستان آئے اور اس طرح آئے کہ ان کے والد شیخ احمد چنگیز خاں کے مقابلہ میں شہید ہوئے اور یہ معہ اپنے تین بچوں کے کابل کو چھوڑ کر نواحِ ملتان میں پہنچے! قاضیٔ قصور نے ان کی مہمانداری میں نہایت تواضع سے کام لیا اور شاہ وقت تک انکی رسائی کرا کر شیخ شعیب کو قصبہ کوٹھوال (یا - کوٹھوال) متصل ملتان - کا قاضی مقرر کر دیا!

سے شادی کی اور زہد و تقوائے کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے!
اس مفلس و گمنام گھر میں وہ شخص پیدا ہوا جو ہندوستان کے افقِ تصوف پر ماہ کامل بننے والا تھا اور شیخ فریدالدین[4] گنجشکر کے نام نامی سے ہمیشہ زندہ رہنے والا تھا!

باباگنجشکر کی ذات بابرکات سے ایک طرف تو تصوف۔ بصورت

نمبر ۴۔ شیخ فریدالدین گنجشکر۔ المعروف بہ باباصاحب رح۔ کا شجرۂ نسب تقریباً ۲۰ واسطوں سے حضرت عمر فاروق اعظم سے ملجاتا ہے۔ آپ کے شجرہ کی نقل مستند قلمی تواریخ میں جو خاندان شیخو پور کے قبضہ میں ہیں مختصراً یہ ہے:۔ شیخ فریدالدین گنجشکر۔ ابن۔ شیخ جمال الدین سلیمان۔ ابن۔ شیخ شعیب۔ ابن۔ شیخ احمد۔ ابن۔ شیخ یوسف۔ ابن۔ شیخ محمد۔ ابن۔ شیخ شہاب الدین ابن۔ شیخ احمد مشہور بہ فرّخ شاہ کابلی۔ ابن۔ شیخ نصیر۔ ابن۔ شیخ محمود معروف بہ شہنشاہ۔ ابن۔ شیخ سامان یا سلیمان۔ ابن۔ شیخ مسعود معروف بہ سلطان۔ ابن۔ شیخ عبداللہ۔ ابن۔ شیخ واعظ الاصغر۔ ابن۔ شیخ واعظ الاکبر۔ ابن۔ شیخ ابوالفتح کارخ۔ ابن۔ شیخ اسحٰق۔ ابن۔ شیخ ابراہیم۔ ابن۔ خواجہ ناصر۔ ابن۔ عبداللہ۔ ابن۔ حضرت عمر فاروق رضؓ! ان خاندانی قلمی نسخوں میں شجرۂ نسب بہ حذف و اسقاط ابوالبشر حضرت آدم تک پہنچایا ہے: مگر میرے خیال میں اُن کا اعادہ فضول ہے: حضرت عمر فاروقؓ کا شجرہ نسب ۸ پشتوں کے بعد کعب بن لوئی پر ختم المرسلین آنحضرت صلعم کے شجرہ نسب سے ملجاتا ہے اور اس کے بعد آنحضرتؐ کا شجرہ ہی عمر فاروق کا شجرہ سمجھا جائیگا! کعب تک ۸ پشتیں حسب ذیل ہیں:۔ عمرؓ۔ ابن۔ خطاب۔ ابن۔ نفیل۔ ابن۔ عبدالعزے۔ ابن۔ ریاح۔ ابن۔ عبداللہ۔ ابن۔ قرط۔ ابن۔ زراح۔ ابن۔ عدی۔ ابن۔ کعب بن لوی! کعب کا شجرہ ۲۰ پشتوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جا ملتا ہے (بقیہ صفحہ آیندہ پر ملاحظہ ہو)

تعلیم چشتیہ۔ نظامیہ وصابریہ کی دو زندہ جاوید شیریں چشموں میں جاری ہوا اور دوسری طرف ان کی اولادِ کثیر ملک کے چاروں گوشوں میں پھیل گئی: غالباً اسی لحاظ سے ان کا نام جواہر فریدی میں آدم ثانی نظر آتا ہے! ان کی اولاد قصبہ اجودھن میں۔ جو ان کے قدوم میمنت لزوم کے بدولت پاک پٹّن بن گیا۔ کئی پشتوں تک مصروفِ مجاہدات نفس و اشاعت کلمۂ توحید رہی! اشاعتِ کلمۂ حق ایک ایسا مشن تھا جس کے لئے اکثر اوقات مجبوری۔ زبان کے بجائے زبانِ تیغ سے کام لینا پڑا! اکثر اوقات شوقِ سرفروشی نے شرکت جہاد کے ذوق میں کسی لشکر کشی میں حصّہ لینے پر مجبور کر دیا! باباصاحب علیہ الرحمۃ کی ایک بیوی ہزیرہ خاتون دخترِ غیاث الدین بلبن بھی تھیں جن سے باباصاحب کی شادی بلبن کی ولیعہدی کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اور اس طرح ان کی اولاد کو ضرورت کے وقت دربار رسی اور شرکت جنگ کے ذرائع مل سکتے تھے! پاک پٹن، داودانہ، اور بھنڈالی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۸) جس کو سرسیّد احمد خاں مرحوم نے اپنی مشہور تصنیف خطباتِ احمدیہ میں بشرح وبسط درج کیا ہے اور اس کے صحیح ترین ہونے کے استدلال پیش کئے ہیں! (جوش)

کی سرزمین اُن پاک نفوس کی آرام گاہ ہے جو اس مشن کو مقصدِ حیات بنائے رہے!

بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد کی ایک شاخ پنجاب سے کوچ کرکے ہندوستان کے قلب میں پہنچی اور ان میں شیخ سلیم فتحپوری کی ذاتِ والا صفات کا ظہور ہوا جو سیکری کے پہاڑوں میں ایسی ضیائے نظر فریب کے ساتھ چمکی کہ جلال الدین اکبر جیسا آزاد مذہب بادشاہ عقیدت و اطاعت کے رنگ میں کشاں کشاں کھنچا چلا آیا! اولادِ بابا صاحب کے جس گروہ کے اخترِ منوّر حضرت سلیم چشتی فتحپوری تھے اُسی کے چند نفوس ظہیر الدین بابر شاہ غازی کی مظفر و منصور فوج میں شامل رہ کر روہیلکھنڈ کی سرزمین میں فاتحانہ قدم رکھ چکے تھے اور دربارِ مغلیہ سے سرکار بدایوں میں معافی وزمین حاصل کر چکے تھے! گویا اولاد ۵ بابا صاحب کی ایک شاخ تقرب دربار کی عزت ۱۵۲۶ء سے

نمبر ۵۔ شیخوپور کے شیخ زادوں کے اسلاف کا بابر کی فوج حملہ آور کے ساتھ ۱۵۲۶ء میں روہیل کھنڈ میں فاتحانہ طور پر آنا اور ضلع بدایوں میں معافیات و محالات پانا گزیٹر سے ثابت ہے! ملاحظہ ہو Descriptive and Historical account of the N. W. P. of India مؤلفہ ایچ سی کانی بیر آئی سی ایس اور ایڈوین ٹی اٹکنسن کی (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

پیشتر حاصل کر چکی اور سلاطین مغلیہ کی نگاہ میں اپنا وقار قایم کر چکی تھی!

یہ فاتحین روہیل کھنڈ بابر کے ساتھ آئے، ہمایوں کے متزلزل زمانہ میں اپنے گھر میں بابر کے عطیات سے بہرہ اندوز۔ خاموشی کے عالم میں وقت کے منتظر رہے، اور اکبرِ عرش آشیانی کی روز افزوں سلطنت میں تخت و تاج کی خدمت کے لئے اپنے قدیمی شعارِ سرفروشی میں۔ محوِ محنت و جانفشانی بن گئے! اسی گروہ میں نواب قطب الدین خاں گورنر بنگالہ کے گھر میں اُس امیر نامی کی پیدایش ہوئی جس کا نام فرید اور لقب نواب فریدالدین اخلاص خاں احتشام خاں تھا، اور جس کی سوانح عمری ان اوراق میں پیشِ کشِ ناظرین کرنی مقصود ہے!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰) جلد ۵ متعلق قسمت روہیل کھنڈ صفحہ ۴۴ و ۴۵! نیز سٹلمنٹ رپورٹ ۱۸۷۳ء ڈسٹرکٹ گزیٹر بدایوں کی جلد ۱۵ کا صفحہ ۷۷ و ۷۸!

اولاد بابا صاحب علیہ الرحمۃ پنجاب میں خلجیوں اور تغلقوں کے زمانہ میں، مختلف مقامات میں، پھیلتی اور اشاعت اسلام تصوف میں سرگرم رہی! اکبر عرش آشیانی، آزادمنش سہی، لیکن اہلِ کمال کا سرپرست اور ہنر و علم کا قدردان تھا: بڑے بڑے حکمار، علمار، امرار، سردارانِ سرفروش، منجم، مہندس، اور ہر قسم کے باکمال اشخاص اس فیض کے چشمہ شیریں کے گرد مرغ و مور کی طرح جمع ہو گئے تھے! یہ فریدی گروہ بھی پنجاب سے نقل مکان کر کے دارالخلافہ کے قریب محوِ خدمت شاہی بنا رہا! بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے شیخ فرید تک قریب قریب ساڑھے تین سو برس کا زمانہ ۱۲ پشتوں کی صورت میں گذرا جس کی مختصر و مجمل تاریخ۔ طوالت کو نظر انداز کر کے۔ درج کر دینی برمحل معلوم ہوتی ہے!

بابا صاحبؒ نے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں۔ اپنی اولاد۔ چھوڑیں! شیخ شہاب الدین گنج علم، شیخ بدر العالم

نمبر۶۔ بابا صاحبؒ کا زمانۂ وفات ۵ محرم ۶۶۴ھ آئین اکبری سے ثابت ہوتا ہے اور شیخ فرید کی پیدائش ۵۶۹ھ میں ہوئی۔ نسخہائے قلمی تواریخ میں۔ درج ہے: گویا ۹۴ برس کا فصل نظر آتا ہے!

بدر الدین سلیمان، شیخ نظام الدین شہید، شیخ یعقوب اور
شیخ عبد اللہ اُن صاحبزادوں کے اسمائے گرامی ہیں جن
کی اولاد۔ بقول صاحبِ جواہر فریدی۔ بنگالہ، بہار، پھلواری،
فتحپور سیکری، بدایوں، امروہہ، مہوبہ، گجرات، الہ آباد اور
اکثر چھوٹے چھوٹے مقامات میں پھیل گئی!

شیخ بدر الدین سلیمان۔ اپنے زمانہ کے مشہور صوفیائے کرام
میں سے تھے اور محو تصوّف رہے!
پاک پٹّن میں آپ کا مزار شریف
ہے! دو بیویوں سے چھ لڑکے
اور چار لڑکیاں چھوڑیں! پہلی بیوی ملک العلما
قاضی ابو مسلم کی صاحبزادی تھیں جن
کے بطن سے چار لڑکیاں اور چار
لڑکے بہ اسمائے شیخ علاء الدین موج
دریا۔ شیخ محمد شہید۔ شیخ محمود اور شیخ تاج الدین
ہوئے! زوجہ ثانی سے شیخ مودود و شیخ
احمد باقی رہے!

نمبر ۷۔ حضرت سلیم چشتی فتحپوری قدس سرہ ان ہی خواجہ مودود کی (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

شیخ محمود بن شیخ بدرالدین سلیمان۔ بھی اپنے زمانہ کے اکابر مشائخ میں سے تھے۔ بچانوے سال کی عمر ہیں دو لڑکے شیخ داؤد اور شیخ نصر اللہ اور ایک لڑکی چھوڑی : پاک پٹن ہیں بزرگوں کے زیرسایہ آرام کرتے ہیں!

شیخ داؤد ابن شیخ محمود۔ مجاہدہ نفس کے علاوہ اشاعت اسلام میں بھی عملی طور پر سرگرم رہے! مخالفین بت پرست کو انکا مشن ناگوار گذرا۔ راجہ مخالف سے تلوار چلنے کی نوبت آگئی۔ راجہ کا قتل فساد کا اختتام ہوا۔ قصبہ داؤدانہ ان کا آباد کیا ہوا ہے جو اب تک اُس نام کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ سکروڑہ میں جو کابل کے راستہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳) اولاد میں ہیں اور اس طرح شجرہ بیان کیا جا سکتا ہے :۔ حضرت سلیم چشتی ابن شیخ بہاءالدین۔ ابن شیخ بدرالدین عرف متھہ۔ ابن شیخ سلیمان۔ ابن شیخ آدم۔ ابن شیخ معروف۔ ابن شیخ موسےٰ۔ ابن شیخ مودود!

میں واقع ہے محوِ خواب استراحت
ہیں! آپ نے دو لڑکے شیخ
رفیع الدین اور شیخ بہاء الدین
چھوڑے!

شیخ رفیع الدین المعروف بہ خواجہ۔ ابن شیخ داؤد ریاضت و فقر میں
بے ہمتا تھے۔ حلقۂ بیعت بہت
وسیع تھا۔ مخدوم زین العابدین اور
شیخ بایزید دو صاحبزادوں کو
چھوڑ کر پاک پٹن میں مرقد مبارک
میں جا سوئے!

مخدوم شیخ زین العابدین۔ عام طور پر محض شیخ زین کے نام سے
مشہور ہیں! تصوف کے لحاظ سے
صاحب نسبت شخص تھے! علوم
ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد دہلی ہوتے
ہوئے حرمین شریفین فریضۂ حج
ادا کرنے تشریف لے گئے اور واپس
آکر حسب بشارت قصبۂ بھنڈالی

میں جو سرہند سے چند کوس کے فاصلہ
پر ہے سکونت پذیر ہوئے! آپ
کی شادی بی بی سلطان خاتون دختر
شیخ بہاء الدین بن شیخ داؤد سے
ہوئی اور ان کے بطن سے پانچ صاحبزادے
شیخ جہان شاہ، شیخ سلطان شاہ،
شیخ برہان الدین، شیخ معز الدین
اور شیخ تاج الدین۔ تولد ہوئے!
بھنڈالی میں آپ کا مشہور مزار ہے!

شیخ سلطان شاہ۔

مرد خدا پرست اور نیک نفس تھے:
صرف دو صاحبزادے شیخ سعد اللہ
و شیخ فرید۔ مشہور بہ فرید سو برس۔
چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گئے،
اور بھنڈالی میں آرام فرماتے ہیں!

شیخ سعد اللہ۔

ان کے زمانہ میں نواب عماد الملک
جو بابا صاحبؒ کے حقیقی بھائی شیخ
نجیب الدین متوکل کی اولاد میں سے

تھے سرکار سنبھل اور باؤلی کے جاگیردار تھے!
نواب عمادؒ الملک نے اپنی دونوں لڑکیوں
کی شادی شیخ سعد اللہ اور شیخ فرید سونبرس
دونوں بھائیوں سے کردی! شیخ سعد اللہ
اور شیخ فرید سونبرس ہی وہ حضرات تھے جو
بابر کی مظفر و منصور افواج میں سرگرم پیکار رہکر
بدایوں میں فاتحانہ داخل ہوئے اور سنہ ۱۵۲۶ء
کے حملہ بابری میں اظہار بہادری کے
عیوض میں ضلع بدایوں میں معافیات
پاکر اسی جگہ سکونت پذیر ہو گئے!
شیخ سعد اللہ کا نام ان کے دو صاحبزادوں
شیخ خوند میاں اور شیخ محمدؐ سے چلا! آپ
بدایوں میں گورستان چشتیہ میں مدفون ہیں!
شیخ خوند میاں بن شیخ سعد اللہ۔ مرد نیک نفس تھے، دو لڑکے

نمبر ۸۔ نواب عماد الملک کا شجرہ جو اہر فریدی میں اس طرح درج ہے :۔ عماد الملک بن شیخ سیف الدین بن شیخ کریم الدین بن شیخ عیسیٰ بن داؤد بن شیخ صراح بن شیخ نصیر الدین بن شیخ شہاب بن شیخ احمد بن شیخ محمد حاجی چشتی عمزادہ حضرت گنجشکر قدس سرہٗ!

شیخ ابراہیم اور شیخ فضیل چھوڑ کر عالم
جاودانی کی راہ لی۔ گورستان چشتیہ
میں مدفون ہیں!

تلقین تصوف میں عمر بسر کی، مرد خدا
آگاہ تھے! صرف ایک لڑکے شیخ حسین
حافظ سے آپکا نام چلتا ہے! گورستان
چشتیہ میں دفن ہیں!

حافظِ قرآن، نیک نفس اور پاک
طینت شخص تھے! شیخ سلطان۔
فرید سوبرس کی اولاد۔ ان کے ہمعصر
تھے اور تلقین تصوف دونوں کا شعار
تھا! حضرت سلیم چشتی فتحپور سیکری
میں اولاد بابا صاحب میں اسی زمانہ
میں بے مثل صوفی اور اپنے وقت
کے عالی مرتبہ صاحب نسبت تھے!

شیخ حسین حافظ اور شیخ سلطان،
حضرت سلیمؒ کی خدمت میں اس تصفیہ

شیخ ابراہیم۔
↓
شیخ حسین حافظ۔

کے لئے حاضر ہوے کہ دونوں میں
سے کون تلقین تصوف کرے اور
کون خاموش رہے! حضرت سلیم
چشتی نے اپنی چشم حقیقت بیں سے
دونوں کے قلوب کا اندازہ کیا اور
شیخ حسین حافظ کو اس کا اہل پاکر
اُن ہی کو اجازت عطا فرمائی! شیخ
حسین حافظ نے بطور اولاد کے
تین لڑکے۔ شیخ اعظم، شیخ معظم، اور
شیخ یٰسین چھوڑے! بدایوں میں
انھوں نے ایک مسجد تعمیر کرائی اور
اسی کے سامنے مزار شریف ہی!

شیخ اعظم۔

اُلّا ومتونہ۔ دو دیہات۔ آنولہ کے
قریب آپ کو سلطنت مغلیہ سے جاگیر
کے طور پر ملے ہوئے تھے! غالباً یہ
دیہات اُن ہی معافیات میں سے
تھے جو بابر کے زمانہ میں ان کے

موروثوں کو عطا ہوئی تھیں! آپ کی
صفائی قلب اور راست بازی سے
خوش ہو کر حضرت سلیم چشتی رح نے
اپنی صاحبزادی بی بی خدیجہ کی شادی
آپ سے کر دی تھی! آپ کی جاگیر
میں ٹھاکروں نے فساد کیا اور آپ
اُن سے لڑ کر شہید ہوئے! قلعہ
بدایوں کے متصل۔ جانب غرب۔
آپ کا مزار ہے جس پر سنگین چھتری
تعمیر تھی۔ اسی عمارت میں آپ کا
شجرۂ نسب بابا فرید گنجشکر تک کندہ
ہے جو زمانہ کی دست برد کے باوجود
اب بھی بہت کچھ باقی ہے! آپ
کی اولاد میں صرف شیخ قطب الدین
تھے!

شیخ قطب الدین۔ آپ شیخ خوبو، خوبن، اور شیخ جیون
کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ آپ کا

مفصل حال آئندہ درج کیا جائیگا۔
آپ کی شادی شیخ معظم کی صاحبزادی
سے ہوئی جن کے بطن سے۔ شیخ
ابراہیم، شیخ فتح الدین، اور شیخ فرید
وجود میں آئے! یہ ہی شیخ فرید آگے
چلکر اخلاص خاں اور بعد میں نواب
احتشام خاں بن گئے!

شیخ فرید کا سلسلۂ نسب ۱۲ واسطے سے بابا گنجشکر قدس سرہٗ تک
اور ۳۲ واسطے سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ
تک پہنچتا ہے! ان ۳۲ پشتوں کی زندگی کا شعار اشاعتِ
وحدانیت۔ خواہ بصورتِ تعلیم تصوف، اور خواہ بصورتِ جہاد
رہا! مدینہ سے رومتہ الصغرےٰ۔ رومتہ الصغرےٰ سے کابل۔
کابل سے نواح ملتان۔ ملتان سے بھنڈالی۔ اور بھنڈالی سے
بدایوں: گویا مدینہ منوّرہ سے بدایوں تک پہنچنے میں پانچ مرتبہ
نقل وطن کرنی پڑی! اس تمام مدت دراز میں جذبۂ توحید پرستی
اس اولادِ فاروق و فرید سے کبھی نہیں چھوٹا! سرفروشی کی چاشنی
بدایوں میں تھک کر بیٹھنے کے بعد بھی کئی پشتوں تک جھلکا

ماری سہی، لیکن بالآخر امن پسندی نے تلوار کو چاقو سے اور نیزہ کو قلم سے تبدیل کرا کر چھوڑا اور رفتہ رفتہ اس سرے سے اُس سرے پر لیجا کر ہانا!

وہ دینِ حجازی کا بیباک بیڑا ※ نشاں جس کا اقصائے عالم میں پہنچا
مزاحم ہوا کوئی خطرہ نہ جس کا ※ نہ عمّاں میں ٹھٹکا نہ قلزم میں جھجکا
کئے پے سپر جس نے ساتوں سمندر!
وہ ڈوبا دہانے میں گنگا کے آکر!!

(۲)

پیدائش کا گھر اور زمانہ

مستمع رمز فہم میباید
نکتہا ہست در فسانۂ ما

بابر کی مظفر و منصور فوج نے ۱۵۲۶ء میں پانی پت کے عظیم الشان معرکہ کے بعد خود سر امرا کو خانوہ متصل فتحپور سیکری پر شکست فاش دی تو سرکار بدایوں پر بھی فتحمند فوج کا تسلط ہوگیا! بابر کے جاں نثار معافیات و جاگیروں سے سرفراز کئے گئے اور اسی زمانہ میں شیخ فرید کے مورث بھی بہادری و سرفروشی کے معاوضہ میں جاگیر پاکر بدایوں میں سکونت پذیر ہو گئے! بابر کے بعد ہمایوں کے اول دس سال میں بدایوں میں کوئی انقلاب عظیم نہیں ہوا البتہ ہمایوں کے شیر شاہ سے شکست کھا کر لاہور کی طرف بھاگنے

نمبر ا۔ District Gazetteers of the United Provinces Vol. XV. Budaun. By H. R. Nevill I.C.S, F.R.G.S. etc کا صفحہ ۱۴۱ لغایت ۱۴۲ !

کے بعد سے اس کی دوبارہ واپسی اور تسلّط تک مختلف سردار عاملِ سنبھل یا بدایوں رہے اور شیخ فرید کے مورث اس عرصہ میں۔ پٹھان بادشاہوں کا ساتھ نہ دیکر۔ علیحدہ اور خاموش رہے!

ہمایوں کے دوبارہ تسلّط پر قنبر دیوانہ گورنر بدایوں تھا جس کا خاتمہ۔ ایک سخت مقابلہ کے بعد۔ علی قلی خاں گورنر سنبھل کے ہاتھ سے ہوا! اکبر کی سلطنت کے آغاز میں تھوڑے عرصہ کے لئے قاسم علی خاں بقّال گورنرِ بدایوں مقرر ہوا، مگر بعد میں مشہور شیخ سلیم فتحپوری کے نواسے، شیخ قطب الدین چشتی گورنر بدایوں بنائے گئے،" جو شیخ فرید کے والد تھے!

عرش آشیانی محمد جلال الدین اکبر کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہتی تھی اور عرصہ تک اکبر کا محل بے چراغ تھا! حضرت سلیم چشتی قدس سرہٗ کی خدا آگاہی اور نسبت باطنی ہندوستان میں دور دور مشہور تھی! اکبر اپنی اسی استدعا کو لئے ہوئے دلی عقیدت مندی کے ساتھ حضرت سلیم چشتی کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اس اعتقاد نے اس درجہ اس کے دل میں جگہ کی کہ اکبر کی منظور نظر رانی۔ جو شیخ الاسلام حضرت سلیم چشتی کی دعا سے حاملہ ہوگئی تھی سیکری میں

نمبر۲۔ اکبر نامہ علامی ابوالفضل مطبوعہ نولکشور پریس جلد دوم صفحہ ۲۶۷ (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

حضرت موصوف کے زیر سایہ بھیجدی گئی! اور عرصہ دراز تک وہیں رہی! اسی مدت میں فتح پور دار النور اور دار السرور بن گیا اور ۹۷۷ھ/۱۵۶۹ء میں اکبر کے ہاں فرزند ارجمند تولد ہوا! اس شاہزادے کا نام بھی اُسی عقیدت مندی کے اظہار میں اکبر نے شاہزادہ نور الدین سلیم رکھا اور خود حضرت شیخ موصوف نے پیار سے "شیخو بابا" کہکر پکارنا شروع کیا!

اکبر کو جو عقیدت حضرت سلیم چشتی سے تھی وہی اس کا باعث ہوئی کہ اولاد بابا صاحب کے وہ افراد جو ترکِ دنیا پر خدمت سلطنت کو ترجیح دیتے تھے معزز عہدوں پر مقرر ہوئے! شیخ اعظم کے لڑکے شیخ قطب الدین۔ جو حضرت سلیم چشتی کے نواسے بھی تھے۔ اسی زمانہ میں، نظامتِ سرکار بداؤں پر متعین ہوئے!

شاہزادہ سلیم کی پیدائش پر۔ غالباً اکبر کے اصرارِ عقیدت آمیز کی وجہ سے۔ حضرت سلیم چشتی نے قریب قریب اپنی کل صاحبزادیوں بیوی اور بہو کا دودھ، تبرکاً وتیمناً سلیم کو پلوادیا! سلیم نے حضرت سلیم چشتی کے زیر سایہ ہاتھ پاؤں نکالے اور حضرت موصوف

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴) نیز۔ ماثر الامرائے تیموری صفحہ ۱۷۵ جلد دوم۔ مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن!

کی صاحبزادی۔ قطب الدین خاں کی مادرمہربان۔ کو اپنی ماں کے برابر چاہنے لگا! اسی واقعہ نے شیخ قطب الدین خاں خوبو کو کوکلتاش کا لقب دلوادیا! قطب الدین خاں بدایوں کے ناظم سلیم کی پیدائش سے پہلے۔ یا پیدائش کے وقت۔ ہو چکے تھے کیونکہ ۱۵۷۲ء میں بدایوں[۳] کی آتشزدگی کا سانحہ جگرخراش ان ہی کی نظامت کا واقعہ سمجھا جاتا ہے! سرکارِ بدایوں۔ جو آئینِ اکبری کے بموجب ۱۳ محال یا پرگنوں پر مشتمل تھی۔ کوئی ایسی معمولی چیز نہ تھی کہ کسی نوآموز و ناتجربہ کار کو یکلخت ایسی بڑی سرکار کا ناظم بنادیا جاتا! قطب الدین خاں کی خدمات اور اکبر کی عنایات تقررِ نظامت سے بہت پہلے شروع ہو چکی ہونگی! اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظامت سرکارِ بدایوں اگر پیدائشِ سلیم پر یا اس سے کچھ پیشتر قطب الدین خاں کو تفویض ہوئی تھی، تو اور چھوٹی بڑی خدمات شیخ خوبو سے پہلے ہی ظاہر ہو چکی ہونگی اور ان کا صلہ۔ منصب یا اور کچھ۔ ہر موقعہ پر ملتا رہا ہوگا!

نمبر ۳۔ ملاحظہ ہو گزیٹر مندرجہ نوٹ نمبر ۱ +

شیخ قطب الدین ۔ خوبو یا شیخ جیون ۔ ناظم بدایوں عرصہ دراز تک رہے ! آتشزدگی کے دوسرے سال یعنی ۱۵۷۳ء میں بدایوں میں فساد برپا ہوا اور غالباً ٹھاکروں یا دوسرے باشندوں کی شرارت اُس کا جزو اعظم تھی ۔ شیخ قطب الدین کے والد شیخ اعظم اسی فساد کے فرو کرنے میں شہید ہوئے ! لیکن یہ شورش جب اور زیادہ بڑھی تو اس کے استیصال کے لئے قطب الدین خاں کو اچھی خاصی لشکر کشی پر مجبور ہونا پڑا چنانچہ کانٹھ اور گولا کے گورنر حسین خاں کو اس کے فرو کرنے کے لئے بطور امداد آنا پڑا ۔ کیونکہ کانٹھ اور گولا بھی سرکار بدایوں کے ماتحت محالات تھے !

قطب[۵] الدین خاں کے ناظم بدایوں ہونے کے علاوہ اس خاندان کے اکثر افراد دور اکبری میں معزز عہدوں پر مامور ہو چکے تھے ! قطب الدین خاں کے ماموں زاد بھائی ، علاءالدین منصب داروں کی فہرست میں آ چکے تھے ، شیخ کبیر[۶] ان کے قریبی رشتہ دار روشناس طبقہ امرا ہو چکے تھے ، اور شیخ بایزید[۷] ۔ قطب الدین خاں کے

نمبر ۴ ۔ گزیٹر بدایوں مندرجہ نوٹ نمبر ۱ ، صفحہ ۱۶۲ !

نمبر ۵ ۔ ماثر الامرائے تیموری مطبوعہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۔ جلد اول صفحہ ۱۱۸ !

نمبر ۶ ۔ ماثر الامرائے تیموری جلد دوم صفحہ ۶۳۰ ! نمبر ۷ ۔ ماثر الامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۳۶۵ !

دوسرے ماموں زاد بھائی۔ منصب دوہزاری تک ترقی کر چکے تھے!

قطب الدین خاں ناظم بدایوں کے اقتدار کی نہایت مجمل تصویر اس سے معلوم ہو سکتی ہے کہ آتشزدگی ۱۵۰۲ء سے جو نقصان عظیم بدایوں کی عالی شان جامع مسجد کو پہنچا تھا اور اس کا گنبد مدارد ہو گیا تھا۔ اُس کی از سرِ نو تعمیر قطب الدین خاں ہی نے اپنی جیب خاص سے کرائی! چنانچہ تعمیر کے آغاز کا پورا ثبوت اُس عبارت سے ملتا ہے جو مسجد مذکور کے شمالی ستون پر ایک سنگ سرخ ہیں۔ دو سطروں ہیں۔ بہ ترتیب ذیل کندہ ہے:۔

(سطر اوّل) " در عہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی در سنہ ۱۰۱۳ یک ہزار و سیزدہ ہجری بنا کرد ایں مسجد قطب الدین چشتی عرف شیخ خوبو کوکہ۔ (سطر ثانی) ابوالمظفر سلطان سلیم شاہ غازی ابن جلال الدین اکبر باہتمام

نمبر ۶۔ گزیٹر مندرجہ نوٹ نمبر (۱) صفحہ ۱۴۱!

نواب شیخ ابراہیم ولد خانِ مذکور کوکہ ۔مشیرِ عمارت عبدالملک قاضی،،

یہ تعمیر جو سنہ ۱۲۳۱ھ ۱۸۱۶ء میں شروع ہوئی تھی عرصہ کے بعد تکمیل کو پہنچ سکی اور یہ ہی وہ قطعۂ تاریخ کہتا ہے جو مسجد مذکور کی محرابِ کلاں کے جنوبی ستون پر سنگ سُرخ میں کندہ ہے! قطعہ تاریخ یہ ہے :۔

بنائے خانِ قطب الدین مرحوم ٭ شدہ محکم بہ حکمِ خانِ کشور
بعہدِ شیخ فیض اللہ چشتی ٭ شدہ اتمام با صد زینت و فر
پئے تاریخ او گفتم خرد را ٭ زجاں گو خالصہً اللہ اکبر!

ان دونوں کتبوں پر غور کرنے سے صاف نظر آتا ہے کہ تعمیرِ مسجد ازسرِنو۔ قطب الدین خاں کے زمانۂ نظامت میں سنہ ۱۲۳۰ھ شروع ہوئی تھی، اوران کے لڑکے نواب شیخ ابراہیم کے اہتمام سے شروع ہوئی تھی۔ مگر اس تعمیر کی قطعی تکمیل نواب شیخ ابراہیم کے حکم سے۔ جو اب کشور خاں کے لقب سے ملقب ہو چکے تھے۔ قطب الدین خاں کی وفات کے بہت بعد۔ بلکہ خود کشور خاں کے انتقال کے بعد۔ ہوئی! جو کچھ بھی ہو، ایسی عظیم الشان مسجد کی ازسرِنو تعمیر۔ اور اپنی جیب خاص سے۔ ایسی چیز ہے

کہ قطب الدین خاں ناظم بدایوں کے اقتدار و تموّل پر اچھی خاصی روشنی ڈال سکے! تعمیر مسجد کے علاوہ محلّہ خیل چشتیان میں نواب قطب الدین خاں نے بڑی بڑی سنگین عمارات تعمیر کرائی تھیں اور ان ہی میں رنگ محل و رتن محل دو مشہور عمارات تھیں!

اُسی زمانہ میں ایک وسیع محلہ آباد کر کے اس کا نام۔ اپنے بڑے صاحبزادے شیخ ابراہیم کے نام پر۔ ابراہیم پور رکھا تھا جو اب تک اسی نام سے۔ عرف عام میں براہم پور کے نام سے۔ موسوم چلا آتا ہے! ایک کٹرہ اور متعدد دکانات مع ایک بڑی کاروان سرائے کے اپنے دوسرے صاحبزادے شیخ فتح الدین کے نام سے تعمیر کرائی تھی! اس کٹرہ و دکانات کی جگہ اب کارمیکل گنج ہے، اور کاروان سرائے۔ جو سرائے فتح الدین کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ اب ٹاؤن ہال اور اس کے احاطہ میں جذب ہو چکی ہے!

صادق پایا جاتا ہے کہ اولاد بابا صاحب کے وہ نفوس جو فتوحات بابری کے دور میں، فاتحانہ بدایوں میں سکونت

نمبر ۹۔ یہ کل تعمیر تمام قلمی نسخہائے تاریخ خاندانی میں نہایت مفصل و مبسوط درج ہے!

پذیر ہوئے تھے سلطنت مغلیہ میں نہایت فارغ البال اور آسودہ حالت میں تھے۔ خصوصاً نواب قطب الدین خاں۔ شیخ خوبو۔ ناظمِ سرکارِ بدایوں سب سے زیادہ ذی رتبہ، صاحبِ اقتدار، اور بااثر امیر تھے! گویا شیخ فرید کا وجود جس گھر میں ہوا وہ ہر لحاظ سے بدایوں کا نہایت معزز و سربر آوردہ گھر تھا! کوئی شک نہیں کہ شیخ خوبو کی عزت کو آگے چلکر جہانگیر نے چار چاند لگائے، لیکن نظامتِ سرکار بدایوں اور اُس سے پیدا ہونے والا اقتدار و اثر، وہ چیزیں تھیں جو دورِ اکبری میں ہی حاصل ہو چکی تھیں!

شیخ فرید کی پیدایش کا زمانہ۔ تمام ہندوستان پر نظر ڈالتے ہوئے۔ شخصی سلطنت کا زمانہ تھا! بادشاہتِ خود مختار کا رعب وداب، رعیتِ اسلحہ بند کی شورش و فساد، امرائے با اقتدار کا صاحب لشکر و جاہ ہونا، درباریوں اور شاہزادوں کے توڑ جوڑ، تمام باتیں۔ جن کو ایک لحاظ سے قوم و ملک کی زندگی، اور دوسرے لحاظ سے شخصی سلطنت کے عیوب، سمجھا جا سکتا ہے۔ اُس وقت بھی جلوہ گر تھیں! مگر پھر بھی، سلطنتِ مغلیہ کا ہندوستان، نہ تو غوریوں اور خلجیوں کا ہندوستان تھا جس میں فاتحین قریب

قریب موجودہ اصولِ سلطنت کے موافق۔ مفتوحین سے معاشرت میں، سکونت میں، بے تکلفی آمیز ارتباط میں، ایک حد تک الگ اور کنارہ کش تھے؛ اور نہ موجودہ خاموش و پُرامن ہندوستان تھا جس میں استعمالِ اسلحہ تو کجا، استعمالِ قلم کی بھی قدرت نہ ہو؛ بلکہ یہ وہ ہندوستان تھا، جہاں اکبرِ عرش آشیانی کے حسبِ مرضی۔ یا علّامی ابوالفضل کی پسِ پردہ حکومت کی بدولت۔ ہندوستان کو اپنا وطن سمجھنا اور ہندی رسوم و معاشرت کے سانچہ میں روز بروز ڈھلتے جانا، شعارِ سلاطین بنکر "اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِہِمْ" کے مصداق، مسلمان آبادی پر مسلط ہوتا جاتا تھا! محل میں رہنے والی رانی پوری آزادی کے ساتھ پوجا پاٹ کرتی تھی، رسم ختنہ غالباً اسی عادتِ رانی نوازی کے سرِ صدقہ ہو چکی تھی، ریش و بروت بھی اسلامی حدود سے خارج ہو چلی تھیں، سلاطین کا مذاق ایرانی و مغلی ہونے کے بجائے، ہندی و ہندوستانی ہوتا جاتا تھا، اور فاتح و مفتوح کا بیّن امتیاز۔ ناعاقبت اندیشی و جہالت سے، یا دانشمندی و مصلحت سے۔ یک قلم اُٹھتا جا رہا تھا!

عرش آشیانی کا دورِ شخصی سلطنت کے ناگزیر نقائص کو نظر انداز کر کے۔ سلطنت مغلیہ کا زرّیں زمانہ تھا! فتوحات و ملک گیری

میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی، باغیوں کو ہر موقعہ پر قرار واقعی سزا ملجاتی تھی، اور بڑے بڑے گردن کش جنگجو حلقہ بگوشِ اطاعت ہوتے جاتے تھے؛ لیکن بغاوت وفساد۔ فی نفسہ۔ موجود تھا، اور موجود رہا! شورش کا مادّہ فاسد جسمِ سلطنت سے اُن دیر پا اور مضعف کُن اصولوں پر خارج نہیں کیا گیا تھا جن پر کاربند ہونے سے ہندوستان پر۔ موجودہ ہندوستانِ پُر امن کی طرح۔ عرصہ دراز کے لئے عالمگیر سکونِ ہجیں چھایا رہتا! شورش ہوتی تھی، بغاوت ہوتی تھی، فساد ہوتا تھا، اور ان سب کا فوری انسداد لشکرکشی کی صورت میں ہمیشہ کر دیا جاتا تھا! رعیت تعلیم یافتہ نہ تھی اور اسی لیے طبقۂ عوام اپنے جاگیرداروں یا عمّال کا بلا چون وچرا مطیع تھا: وکالت وقانون کش مکش آمیز مفقود تھا اور نمک حلالی کے انعام اور حرام نمکی کی سزا کے لئے، عرصہ تک انتظار کرنا اور مختلف دروازے کھٹکھٹانے نہیں پڑتے تھے: تقریباً کل آبادی رائج الوقت اسلحہ کے استعمال کی عادی اور شرکت جنگ کے لایق بنی رہتی تھی: غلہ کی ارزانی اور ضروریاتِ زندگی کی قلت آمیز سادگی، ہر شخص کو فارغ البال اور احتیاجِ ہمت شکن سے مامون رکھنے کے لیئے کافی تھی! طبقہ امرا باثر،

صاحبِ قوت، اور فی الحقیقت متمول گروہ تھا اور سلاطین، ہندوستان ہی میں پیدا ہوتے تھے، اسی آب و ہوا سے نشو و نما پاتے تھے، اسی کی پیداوار پر گلچھرّے اُڑاتے تھے، اسی کی زمین پر عجائباتِ دنیا سمجھی جانے والی عماراتِ سربفلک کشیدہ تعمیر کراتے تھے، اسی کے باشندوں کو تہِ تیغ کرتے تھے، اسی کے سپوتوں کو صاحبِ لشکر وحشم بناتے تھے اور آخرکار۔ اسی ملکِ نظر فریب میں۔ تمام عمر اچھی یا بُری طرح بسر کرلنے کے بعد، ہندوستانی مٹّی کے نیچے محوِ خوابِ عدم ہوجاتے تھے!

دربار رسی اور روشناسیِ طبقۂ اعلےٰ نہایت مشکل کام تھا! عرصہ کی اطاعت و جاں نثاری کا زینہ ہی صرف اس مقصد بلند پایہ تک پہنچا سکتا تھا! جاگیر و معافی، خطاب و منصب، تقرب سلاطین، یہ سب باتیں ایسی مادّی عزت سے معمور تھیں کہ ان کا پانے والا حقیقی معنوں میں مستغنی، متموّل، صاحبِ حکومت و اثر، اور کئی پشتوں کے لئے مالا مال ہوجاتا تھا! مگر اس میں بھی شک نہیں کہ یہ مادّی مفاد بلا خدمتِ سرفروشی کے حاصل نہیں ہوتا تھا! خدماتِ اعلیٰ اور کارہائے پسندیدہ

زیادہ تر فوج میں عملی حصہ لینے پر منحصر تھے اور محض قلم کے گھوڑے سطحِ کاغذ پر دوڑانے سے عزتِ اصلی کا میدان ہاتھ نہیں آسکتا تھا! گویا خدمت بھی جاں فروشی اور ہمہ تن تصدقِ ملک ہوجانا تھی، اور عزت بھی ٹھوس، دیرپا، حکومت اصلی سے معمور اور مستغنی بنا دینے والی تھی! اس کے ساتھ ہی ساتھ مزاجِ سلاطین ایک قطب کی حیثیت رکھتا تھا جس کی طرف طبقۂ امرا اور گروہ دربار رس کا قطب نما ہمیشہ مائل رہتا تھا!

حصولِ تخت کے لیئے شاہزادوں میں چشمک اور امرا میں گروہ بندی لازمی نتیجہ تھا: ظل اللہ بننے کا شوق بعض اوقات حقیقی بھائیوں۔ بلکہ باپ بیٹوں۔ میں تلوار کی بجلیاں چمکا دیتا تھا اور طبقۂ با اثر مخالفین پر تقسیم ہوکر آپس میں ہی خون کی ندیاں بہا دیتا تھا! زبان و الفاظ کا پاس، عزت کا احساس، شعارِ قومی کی تقلید، باغیوں کی قطع و برید، سینہ میں دل۔ دل میں حوصلہ: قبضۂ شمشیر پر ہاتھ۔ ہاتھ میں طاقت: مختصر یہ کہ۔ ہندوستان منچلا اور جاہل، مطمئن اور جنگجو، قوی اور محوِ تموّج شجاعت نظر تھا!

تار، ریل، موٹر، اور تمام نئی ایجادات دنیائے ہند سے

مفقود تھیں: مگر ان تمام نمایشی یا محتاجِ زندگی سے لاعلمی تھی۔ اور لاعلمی کی وجہ سے ان کے حصول کی ادنٰے بھی خواہش پیدا نہ تھی! گویا زندگی۔ اُس کی محدود ضروریات کے لحاظ سے۔ بدرجہا آسان ہستی، اور سادہ تھی! اسی کی وجہ سے تنہا خوری اور عدمِ تواضع ناقابل معافی سوشیل گناہ تھے! مکر و دنیا سازی تھی تو ضرور، مگر مکر اور دنیا سازی کے ہی نام سے پکاری جاتی تھی۔ کوئی "حکمتِ عملی" اور "مصلحتِ وقت" جیسا معزز لقب اُن کو عنایت نہیں ہوا تھا اور نہ وہ اس وقت تک دنیا میں ڈپلومیسی، اور پالیسی کی اونچی اسٹیج پر جلوہ افروز ہو سکی تھیں! مخالفت و عناد کا طول دلی بغض میں عرصہ دراز تک نہیں رہ سکتا تھا اور سادہ لوح طبائع بہت جلد اس کا اختتام یا تو صلحِ باطنی میں کرا دیتی تھیں، یا "تلوار کھلّم کھُلّا۔ ڈنکے کی چوٹ۔ ثالث بالخیر بنا دی جاتی تھی! ہر کام میں استقلال تھا؛ ظاہر و باطن یکساں تھا؛ سب سے بڑا قصور بغاوت، اور سب سے زیادہ ضروری فرض اطاعتِ تاج و تخت، تھی! ہر منصب دار اپنی ذات کے منصب نقد کے علاوہ ایک خاص تعداد رسالہ کی بھی رکھنے پر مجبور تھا جس کے لئے نقد اخراجات "سوار" کے نام سے علٰحدہ ہوتے تھے! کسی

مہم کی تعیناتی پر منصب داران متعینہ کے نام فرمان و پروانہ جاری ہوتے تھے، خلعت و تلوار وغیرہ ہمت افزائی کے لیئے عنایت ہوتی تھی اور سپاہ شاہی کے علاوہ ہر منصب دار کی جماعت کمک اور لڑائی کی شرکت میں کنٹنجنٹ کی حیثیت رکھتی تھی! فتوحات پر، انعام وصلہ کے طور پر، منصب و جاگیر عطا ہوتے تھے، نظامت و گورنری کے جلیل القدر عہدے تفویض ہوتے تھے اور ہر طرح عزت افزائی کی جاتی تھی! ہر ناظم و جاگیر دار کے علاقہ وصوبہ میں بادشاہ کی جانب سے ایک واقعہ نگار مقرر رہتا تھا جو وقتاً فوقتاً اُس جاگیردار کی حالت چال و چلن اور ارادہ اطاعت یا بغاوت سے دربارِ شاہی کو اطلاع دیتا رہتا تھا، اور ہر ناظم و جاگیردار کی طرف سے ایک وکیل دربار شاہی میں حاضر رہتا تھا جو احکاماتِ شاہی سے اس کو مطلع کرتا رہتا تھا!

ایسے زمانہ، ایسی حالت گرد و پیش، اور ایسی سرزمین میں شیخ فرید[1]، نواب قطب الدین خاں۔ سرکار بدایوں کے ناظم کے معزز و ممتاز گھر میں ۹۹۸ھ / ۱۵۹۰ء میں۔ پیدا ہوئے!!

[1] شیخ فرید کی عمر نواب قطب الدین خاں کے قتل کے وقت (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

(۳)

شیخ خوبو دورِ جہانگیری میں اور ایک تاریخی غلط فہمی

شیخ فرید کی پیدایش سے لیکر دور اکبری کے اختتام تک قطب الدین خاں کے اقتدار و مرتبہ میں کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا۔ وہ ناظم سرکارِ بدایوں تھے اور غالباً آخر تک رہے کیونکہ جامع مسجد بدایوں کی آغاز تعمیر کا سنہ اکبر کی وفات سے ایک ہی سال پیشتر کا ہے! ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۴ھ تک ہندوستان کی سلطنت میں بہت کچھ اضافہ فتوحات ہوتا رہا لیکن قابل ذکر واقعہ شاہزادہ سلیم کی عارضی خودسری تھی! اکبر نے برہان پور جاتے وقت شاہزادہ سلیم کو مہم رانا پر روانہ کیا تھا۔ مگر اجمیر میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۷) یعنی ۱۰۱۶ھ ہیں۔ خاندانی تواریخ قلمی میں آٹھ سال کے قریب ظاہر کی ہے۔ اسی کی رو سے پیدائش ۱۰۰۸ھ کی سمجھی جاسکتی ہے!

مصروفِ شکار رہکر سلیم بجائے مہم رانا کے شکارِ تخت وتاج کے خواب دیکھنے لگا تھا! دیکھنے ہی نہیں، بلکہ عملی صورت میں بھی نقل وحرکت کرنے لگا تھا! اکبر جیسے پختہ کار نے سمجھایا، پیغامات بھیجے، لیکن جب معاملہ طول کھینچتا گیا تو اُسے بادلِ ناخواستہ دکن کی روز افزوں فتوحات سے دست کش ہوکر دار الخلافہ کا رُخ کرنا پڑا!

شاہزادہ سلیم الہ آباد میں مصروفِ انتظام تھا! اس کے پکے جاں نثار اور سچے خادم اُس کے ساتھ تھے! نواب قطب الدین خاں بھی ممکن نہ تھا کہ ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے! چنانچہ اُس عالم روا روی میں جو انتظامات سلیم نے کئے تھے اُن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ قطب الدین خاں۔شیخ خوبو۔ کو صوبہ بہار کی نظامت یا گورنری عطا ہوئی! اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سلیم کے دل میں شاہزادگی کے زمانہ سے ہی شیخ خوبو کی کسقدر قدر و منزلت تھی اور شیخ جیون اس کو کس درجہ عزیز تھے! شاہزادہ سلیم کی خودسری کا معاملہ کم وبیش دو ڈھائی سال چلتا رہا؛ ابو الفضل کا قتل، اکبر کی والدہ۔مریم مکانی۔ کا انتقال، خسرو کی سلیم کے خلاف ریشہ دوانی، اور سلیم کی بیوی۔خسرو کی ماں۔کی ناخلف

لڑکے سے تنگ آ کر خودکشی ! یہ کل واقعات اُسی زمانہ میں اور - کہا جاتا ہے کہ - اُسی خودسری کے باعث سے ظہور پذیر ہوئے ! اکبر کی دوراندیشی اور استقلال نے اُس بغاوت کو کوئی خوفناک صورت اختیار نہ کرنے دی اور آخر کار باپ بیٹے کی باہم غلط فہمیاں، فطری محبت کے تقاضہ سے دور ہوگئیں ! سلیم نے سر جُھکا دیا اور اکبر نے سینہ سے لگا لیا۔ نہ کوئی فساد تھا نہ بغاوت !

اکبر عرش آشیانی کی آنکھ بند ہوتے ہی، خسرو ناخلف نے اپنے خسر خان اعظم اور اپنے ماموں راجہ مان سنگھ کے بل پر بہت کچھ ہاتھ پاؤں پیٹے مگر شاہزادہ سلیم نے مرتضیٰ خاں بخاری کو اپنے ساتھ لیا، مان سنگھ کو بنگالہ کی گورنری کا لقمۂ تر دیکر ٹالا، اور تختِ ہندوستان پر جہانگیر کے لقب سے جلوہ افروز ہوگیا! شخصی سلطنت میں ایک دور ختم ہوکر دوسرا دور شروع ہونے کا اثر محض تخت تک محدود نہیں رہتا بلکہ سلطنت کی حدود تک اُس انقلاب سے متاثر ہوئے بغیر نہیں بچ سکتیں ! جہانگیر کے تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہی اُس کے مخالفین پر عتاب کا عذاب، اور اس کے جاں نثاروں پر بذل خسروانہ کی رحمت،

نازل ہونے لگی! قطب الدین خاں کے ساتھ جو محبت دلی جہانگیر کو تھی اُس کے لحاظ سے یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں ہو سکتا کہ قطب الدین خاں کا مرتبہ و اقتدار دورِ جہانگیری میں اگر سب سے زیادہ نہ تھا، تو کسی سے کم بھی نہ تھا!

قطب الدین خاں کو جہانگیر۔ خود جہانگیر کے الفاظ ہیں کہ۔ بھائی بیٹے کے برابر سمجھتا تھا اور ان کی والدہ بی بی خدیجہ کو۔ جو حضرت سلیم چشتی کی صاحبزادی تھیں۔ اپنی حقیقی ماں کے برابر جانتا تھا! اسی وجہ سے قطب الدین خاں، کوکلتاش کے لقب سے ملقب ہو گئے! محض شاہی کوکہ ہونا فی الحقیقت اس اقتدار و مرتبہ کا باعث نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا، حضرت سلیم چشتی کے حکم سے اُن کی صاحبزادیوں اور بہوؤں نے تبرکاً و تیمناً جہانگیر کی پیدائش پر اس کو دودھ پلا دیا تھا، لیکن جہانگیر کو جس قدر اُنس بی بی خدیجہ سے تھا اس قدر حضرت سلیم کی صاحبزادیوں میں سے اور کسی سے نہ تھا! باقاعدہ طور پر جہانگیر کو دودھ پلانے کے لئے زین خاں کی ماں تھیں جنہوں نے انّا کی طرح جہانگیر کو دودھ پلایا تھا، اور اسی وجہ سے زین خاں نے

نمبر ا۔ ترجمۂ توزک جہانگیری سال دوم جلوس، ذکر قتلِ قطب الدین خاں!

کوکہ کا لقب پایا تھا! شاہی کوکہ کی جو عزت ہوتی تھی اور ہوئی
اُس کا اگر قطب الدین خاں کی عزت اور اُس برتاؤ سے جو
قطب الدین خاں کے ساتھ کیا جاتا تھا، مقابلہ کیا جائے تو
معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ تمام اقتدار محض کوکہ ہونے کی وجہ سے
نہ تھا بلکہ حضرت سلیم چشتی کی عظمت و تقدس۔ جس سے شیخو
بابا پوری طرح متاثر تھا۔ اس کا باعث ہوئے! قطب الدین خاں کو
جہانگیر کا اپنے قلم و زبان سے بھائی بیٹے کے لقب سے یاد
کرنا ایک ایسی عزت تھی کہ اُس زمانہ میں اقتدار کی معراج سمجھی
جاسکتی ہی! بی بی خدیجہ سے جہانگیر اس درجہ مانوس تھا کہ ان کے
انتقال پر ان کے جنازہ کو خود جہانگیر[2]۔ شہنشاہِ ہندوستان نے
کئی قدم تک کندھا دیا تھا، صدمہ و رنج کی وجہ سے کئی روز نہ کھانا
کھایا تھا، نہ کپڑے تبدیل کئے تھے! صرف یہ ہی واقعہ بتا سکتا ہی
کہ قطب الدین محض ایک شاہی انّا کے لڑکے تھے، یا باباصاحب
علیہ الرحمۃ کی اولاد اور حضرت سلیم کے نواسے ہونے کی وجہ سے
ذی عزت و صاحب مرتبہ تھے! شہنشاہِ ہندوستان کا خود

نمبر ۲۔ ترجمہ توزک جہانگیری سالِ اول جلوس۔ قریبِ اختتام!

کسی کو کندھا دینا ایسی عزت نہ تھی کہ اُس زمانہ میں محض دودھ پلانے والی انّا کو نصیب ہوئی ہو یا ہوتی ہو!

دورِ جہانگیری کے شروع ہوتے ہی، قطب الدین خاں کے اقتدار و مرتبہ میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی!

قطب الدین خاں کی وہ خدمات جو عرصہ سے سلیم کے ساتھ کرتے آتے تھے، اور وہ استقلال و پامردی جس کا اظہار انہوں نے شاہزادہ سلیم کا ساتھ زمانہ خودسری میں دیکر کیا تھا، اور ایسے نازک وقت میں۔ جبکہ اکثر رکابی مذہب امرا اکبر سے جا ملے تھے۔ دامنِ سلیم کو کبھی نہیں چھوڑا تھا، اب بارآور ہونے شروع ہوئے! پہلے ہی سال[۱] میں "خانی" کا خطاب عطا ہوا، شمشیرِ مرصع عطا ہوئی، خنجرِ بیش بہا۔ جس کی قیمت خود جہانگیر چھ[۲] ہزار روپیہ بتاتا ہے عطا ہوا، اور عطیات شاہی کا دروازہ کھُل گیا! اسی سال میں قطب الدین خاں کے ماموں زاد بھائی شیخ بایزید کو معظم[۲] خاں کا خطاب ملا اور دہلی کی حکومت عنایت ہوئی! غالباً پہلی مرتبہ۔ اسی سال میں۔ نواب قطب الدین خاں نے اپنے بڑے لڑکے شیخ

نمبر[۱]۔ جہانگیر نامہ مطبوعہ مطبع نول کشور صفحہ ۵!

نمبر[۲]۔ ترجمہ توزک جہانگیری سالِ اول جلوس!

ابراہیم کو پیش کیا چنانچہ کشور خاں کا خطاب اور "ہزاری ذات وسہ صد سوار" کا منصب جہانگیر نے شیخ ابراہیم کو بھی عطا فرمایا!

شاہزادہ سلیم کے جہانگیر بنتے ہی، نواب قطب الدین خانِ کلناش آسمانِ عزم و مرتبہ کے مہِ نیم ماہ بنکر چمکنے لگے! پہلے ہی سال کے جشنِ قمری کے موقعہ پر، نمک حلالی و جاں نثاری کا معاوضہ شہنشاہ[۵] جہانگیر کے حکم سے ابرِ رحمت کی طرح برس پڑا! "پنجہ ہزاری ذات" کا منصب اعلیٰ و ممتاز عطا ہوا! خلعت خاصِ مرحمت ہوا! شمشیر مرصّع عنایت ہوئی! خاصہ کا بیش قیمت گھوڑا معہ زینِ مرصّع بخشا گیا! اور بنگالہ و اوڑیسہ کی صوبہ داری۔ جو پچاس ہزار سوار کی جگہ تھی، اور جس کے صوبہ دار کو انگریزی مورخ وائسرائے[۶] کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ تفویض ہوئی! اس عزت و مرتبہ کے ساتھ قطب الدین خاں بنگالہ کے وائسرائے بنکر، اول سالِ جہانگیری میں بنگالہ کی طرف چلے اور ایسے کرّوفر کے ساتھ چلے کہ ایک لشکرِ جرّار ہمرکاب کیا گیا اور دو لاکھ روپئے نقد اخراجات کے لئے

نمبر۵۔ کل علیات کا تذکرہ تزک جہانگیری میں جشن وزن قمری سال اول میں درج ہے!

نمبر۶۔ ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان مؤلفہ ایلیٹ صاحب جلد ششم صفحہ ۴۰۲-۴۰۳!

عنایت کیئے گیئے! قطب الدین خاں کم و بیش ایک سال بنگالہ کے وائسرائے رہے، کیونکہ دوسرے ہی سال شیر افگن خاں کی بغاوت کے انسداد میں شیر افگن خاں کی عیّاری نے ان کا خاتمہ کر دیا! جہانگیر اور نور جہاں کی وجہ سے یہ واقعہ اسقدر مشہور ہے کہ قریب قریب ہر تاریخ میں موجود ہے! چونکہ جہانگیر کسی زمانہ میں نور جہاں کو محبت کی نظر سے دیکھتا تھا، اور قطب الدین خاں کی شہادت کی وجہ سے ہی شیر افگن کا قتل وجود میں آکر نور جہاں کو اس سے نجات ملی تھی، اس لئے شیر افگن کے قتل کو بھی عموماً مورخین نے اُسی محبّت کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے جو جہانگیر کو نور جہاں سے تھی! وھیلر صاحب نے اپنی "تاریخ ہندوستان" میں اس واقعہ کو جس طرح توڑ موڑ کر بیان فرمایا ہے اُس کا لبّ لباب یہ ہے کہ نور جہاں ایک ایرانی کے ساتھ پہلے سے منسوب تھی اور جہانگیر کی نظر اُس پر بعد میں پڑی: اکبر کے جیتے جی جہانگیر نور جہاں کو شیر افگن کے پنجہ سے نہ نکال سکا مگر اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی وائسرائے بنگالہ نے جہانگیر کی پوشیدہ فہمایش پر شیر افگن کا مقابلہ کیا جس میں دونوں مارے گیئے اور اس طرح نور جہاں جہانگیر کے قبضہ میں آگئی! وھیلر صاحب کی مجمل اور خلاف واقعہ تحریر دیکھکر مجھے

ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس واقعہ کو شرح و بسط کے ساتھ مستند تواریخ سے لیکر پیش کش ناظرین کروں اور اس کا فیصلہ خود ناظرین پر چھوڑ دوں کہ یہ واقعہ عام طور پر کس قدر غلط بیان کیا گیا اور سمجھا گیا ہے!

وھیلر صاحب کی "تاریخ ہندوستان" کی موٹی موٹی آٹھ جلدیں ایک ناواقفِ تاریخ کو مرعوب کرنے کے لئے کافی سے بھی زیادہ ہیں، لیکن معلومات کی وسعت کا پتہ صرف اس سے ہی چل سکتا ہے کہ آپ نور جہاں کا ایک ایرانی سے منسوب ہونا جہانگیر کی محبت آمیز نظر پڑنے سے پیشتر کا واقعہ بیان فرماتے ہیں، حالانکہ اس کا وجود کسی مستند تاریخ میں نہیں! اور تو اور آپؒ نور جہاں کو شیر افگن کے قتل کے بعد جہانگیر کی راجپوت ماں کی پرستاری میں دیدیتے ہیں! بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!

نمبر - ملاحظہ ہو Vol. IV کا Wheeler's "History of India" صفحہ ۲۰۲! تعجب ہے کہ سلیمہ سلطانہ بیگم کو وھیلر صاحب راجپوت بیان فرماتے ہیں حالانکہ وہ ہمایوں بادشاہ کی بہن گلرخ بیگم اور مرزا نور الدین محمد خواجۂ کاشغر کی لڑکی تھیں اور راجپوت خون ان میں کسی طرف بھی نہ تھا! یہ جہانگیر کی سوتیلی ماں ضرور تھیں اور نور جہاں ان کی پرستاری میں بھی رہی تھیں، مگر ان کو جہانگیر کی راجپوت ماں بیان کرنے سے وھیلر صاحب کی تحقیق اور شان واقعہ نگاری کا پتہ چلتا ہے!

سب سے بہتر اور آسان تو یہ ہوگا کہ کل واقعہ "تو زک جہانگیری" سے نقل کر دیا جائے، لیکن بعض طبائع "تو زک جہانگیری" کو اس واقعہ کے لئے قابلِ تسلیم نہیں سمجھتیں۔ اور محض اس وجہ سے نہیں سمجھتیں کہ جہانگیر بذات خود ایک فریق۔ بلکہ انکی نگاہ میں فریقِ مجرم ہے!

جہانگیر نے تو زک جہانگیری میں جس راست بیانی اور صفائی سے کام لیا ہے وہ اس سے ہی ظاہر ہے کہ وہ ابو الفضل کے سازشِ قتل سے لیکر اپنی شراب نوشی اور افیون خوری تک کو من و عن درج کر دیتا ہے: ہر شخص کے قتل و سزا کو بلا کم و کاست بیان کر دیتا ہے! پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ محض اس واقعہ کو غلط لکھتا یا نہ لکھتا!

تو زک جہانگیری کو چھوڑ کر "جہانگیر نامہ" کو لیا جائے تو وہ بھی لفظ بہ لفظ تو زک جہانگیری کی تصدیق کرتا ہے! "اقبال نامہ جہانگیری" میں بھی یہ ہی نظر آتا ہے! ان سب مورخین کو جہانگیر سے خائف مان کر علیحدہ رکھدیا جائے تو متاخرین میں سب سے زیادہ باوقعت خافی خاں اور اس کی مستند تاریخ منتخب اللباب سمجھی جاسکتی ہے! خافی خاں اس واقعہ کو مذکورہ بالا تواریخ سے نہیں لیتا بلکہ "منہج الصادقین" سے استنباط کرتا ہے اور اس بنا پر استنباط

نمبر ۹۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۲۶۳ !

کرتا ہے کہ "منہج الصادقین" کا مؤلف محمد صادق تبریزی تھا جو نہ ہندوستان کا باشندہ تھا اور نہ جس پر جہانگیر کا کوئی اثر تھا! میں بھی اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ منتخب اللباب سے لیتا ہوں اور دکھانا چاہتا ہوں کہ عموماً کتب تواریخ رائج میں کسقدر فاش غلط فہمی ہوئی ہے!

کہتے ہیں[۹] کہ غیاث بیگ ولد خواجہ محمد طہرانی، طہماسپ صفوی شاہ ایران کے عہد میں حاکم خراسان تھا، حوادثِ لیل ونہار سے اس درجہ عسرت ومفلسی تک پہنچا کہ وطن کو خیر باد کہکر ہندوستان کو چلا! اسی ناداری کے عالم میں قندھار کے قریب ایک لڑکی پیدا ہوئی اور تنگدستی کے باعث ایک کپڑے میں لپیٹ کر قافلہ میں ڈالدی گئی! بچّہ کے رونے کی آواز ایک شخص کے کان تک پہنچی جو اُسے اُٹھا کر ملک مسعود سالار باشی کے پاس لایا: خدا کی شان، دودھ پلانے کے لئے اُس لڑکی کی ماں ہی قافلہ بھر میں یسر آسکی! خواجہ مسعود کو سارا حال معلوم ہوگیا اور ہندوستان پہنچکر اس نے دیگر تحائف کے ساتھ غیاث بیگ کو اکبر کے حضور میں

نمبر ۹- ملاحظہ ہو منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۲۶۲ تا ۲۶۵ !

پیش کر دیا! مختصر یہ کہ اس طرح غیاث بیگ اور اس کا لڑکا
ابوالحسن ملازمانِ شاہی کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور انکی بیوی
و لڑکی محل میں بیگمات شاہی کی خدمت سے بہرہ اندوز ہونے
لگیں! اُس لڑکی۔ مہرالنسا خانم۔ نے ہوش سنبھالا، ہاتھ پانوں
نکالے، اور رحمتِ صورت آفرین سے غضب کا حُسن پایا!
آفتابِ شباب کے انعکاس کے ساتھ ہی جہانگیر کی معنی خیز نظریں
بھی پڑنے لگیں، اور رفتہ رفتہ یہ راز طشت از بام ہو کر اکبر کے
کان تک پہنچا! اکبر نے جہانگیر سے بچانے کے لیئے فوراً علی قلی
اِستاجلو کے ساتھ شادی کر دی اور اس طرح اس شعلۂ جوّالہ کو
جہانگیر کے سر سے ٹالا! علیؔ قلی اِستاجلو شاہ طہماسپ صفوی کا
سفرچی۔ یا سفرہ چی۔ تھا، جو گردش زمانہ کے ساتھ ردّی حال
ہو کر خان خاناں کے پاس اس وقت پہنچا تھا جب وہ ٹھٹہ کی
فتح میں مشغول تھا! خان خاناں نے اُس کو اکبر کے دربار تک
پہنچایا اور ملازمت شاہی دلوائی! اس علی قلی استاجلو کے
ساتھ مہرالنسا خانم کی شادی اکبر نے کر دی اور جہانگیر کی محبت پیدا

نمبر ۱۔ مؤلف جہانگیر نامہ علی قلی کو شاہ اسمعیل صفوی کا سفرچی بتاتا ہے۔ صفحہ ۲۳ !

ہوتے ہی کچل دی گئی! شادی کے بعد جب جہانگیر کو اکبر نے مہم رانا[۱۱] پر بھیجا تو علی قلی کو اس کی خدمت میں تعینات کیا؛ علی قلی نے اُسی زمانہ میں۔ یعنی جہانگیر کے زمانۂ خودسری میں۔ جہانگیر سے شیرافگن کا خطاب حاصل کیا اور جاگیر معقول پائی! باوجود اس الطاف و مہربانی کے، علی قلی نے آخر زمانہ میں دھوکہ دیکر جہانگیر کا ساتھ چھوڑا اور اکبر سے آملا! جہانگیر کی تخت نشینی کے وقت خیال تھا کہ وہ اس حرام نمکی کی پاداش بھگتے گا، مگر جہانگیر نے عین خطا پوشی سے کام لیا اور بجائے سزا دینے کے، قصور گزشتہ کو معاف کرکے، بردوان عنایت کیا اور ہر طرح عزت افزائی کی! بردوان کی صوبہ داری ملتے ہی علی قلی نے جور و تعدّی شروع کردیا اور دوسال تک متواتر اُس کے مظالم کی شکایت جہانگیر کے گوش زد ہوتی رہیں! جب[۱۲] جہانگیر کو اس بات کا علم ہوگیا کہ شیرافگن نافرمان اور آمادۂ بغاوت ہے تو قطب الدین خاں وائسرائے بنگالہ کو حکم ملا کہ اس کو بُلا کر فہمایش کریں۔ اور اگر وہ راہ راست پر نہ آئے

نمبر۱۱۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۲۶۶۔ نیز۔ تاریخ ہندوستان مؤلفہ ایلیٹ صاحب جلد ششم صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۳!

نمبر۱۲۔ Eliot's History of India کا Vol VI صفحہ ۴۰۲ و ۴۰۳!

تو بار گاہ والا کو روانہ کریں! قطب[۱۳] الدین خاں نے بنگالہ پہنچکر آدمی و تحریر کے ذریعہ سے مکرر شیر افگن کو طلب کیا اور اُس نے آنے میں تعلل و تجاہل سے کام لیا اور عذرات نا معقول پیش کیے تو انہوں نے دربار شاہی کو سارا حال لکھ بھیجا! اس پر حکم شاہی صادر ہوا کہ اس کو فوراً روانہ بارگاہ کیا جائے! مجبوراً قطب الدین خاں نے اپنے آپ کو اس کے علاقہ تک پہنچایا اور ملاقات کا پیغام بھیجا: شیر افگن بکتر و شمشیر نیمہ آستین کے اندر چھپا کر چند آدمیوں کی ہمراہی میں قطب الدین خاں کے پاس پہنچا! شیر[۱۴] افگن کی شورش طلبی کی یہ حالت تھی کہ وہ قطب الدین خاں کے بنگالہ پہنچنے سے پہلے ہی، محض اپنے وکیل کی تحریر پر، شاہی واقعہ نگار سے کہہ چکا تھا کہ "میں آج سے شاہی ملازم نہیں ہوں"! اُس کی اس شورش طلبی کا لحاظ رکھتے ہوئے قطب الدین خاں نے شاہی احکامات کو۔ جو بغاوت کی وجہ سے یقینی درشت ہوں گے۔ ملایم الفاظ میں ادا کرنا چاہا مگر شیر افگن کی طبع بغاوت جو کو وہ پھر بھی نا ملایم معلوم ہوئے!

نمبر ۱۳۔ منتخب اللباب جلد اول صفحہ ۲۶۶ تا ۲۶۷۔ نیز۔ ایلیٹ صاحب کی تاریخ ہندوستان مندرجہ نوٹ نمبر ۱۲ !

نمبر ۱۴۔ ماثر الامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۶۶ !

شیر افگن اب مارنے مرنے پر تُل بیٹھا اور قریب کے طور پر، اُس[۱۵] نے قطب الدین خاں کے ہمراہیوں کی نسبت - جو آس پاس موجود تھے - اعتراض کیا! قطب الدین خاں نے تمام آدمیوں کو ہٹا دیا اور خود اُس کے ساتھ تنہا باتیں کرتے ہوئے کئی قدم نکل گئے! اسی اثناء میں موقعہ پاکر شیر افگن نے وہ تیغچہ جو آستین میں چھپائے ہوئے تھا، نکال کر قطب الدین خاں کے پیٹ پر مارا، قطب الدین خاں نے آواز دی کہ "اس نمک حرام کو جانے نہ دینا" اور انبہ خاں کشمیری نے بڑھکر ایک ہاتھ اُس کے سر پر دیا: انبہ خاں بھی زخم کھا کر گرا اور تمام ہمراہیان قطب الدین خاں نے شیر افگن کی تکہ بوٹی کر ڈالی!

اب ذرا ٹھہرئے! اور تمام مذکورہ بالا واقعات پر - ٹھنڈے دل کے ساتھ - نظر ڈالیئے! مہرالنسا خانم کی اُٹھتی ہوئی جوانی یا حسنِ صبر سوز، دوشیزگی کے عالم میں، نگاہِ دزدیدہ کے ذریعہ سے، ایک تیر شاہزادہ سلیم کی طرف - دانستہ یا نادانستہ - پھینک دیتا ہے اور خوش قسمتی سے نشانہ بھی سویدا کو "بلز آئی" بنا دیتا ہے!

نمبر ۱۵- جہانگیر نامہ مطبوعہ منشی نول کشور صفحہ ۲۳ تا ۲۵!

سلیم کے دل میں اس شعلۂ جوالہ کی محبت۔ ایسے زمانہ میں جبکہ وہ کسی سے منسوب نہ تھی۔ اگر ہو جاتی ہے تو تعزیرات رائج الوقت کے بموجب کون سے جرم کا ارتکاب ہوتا ہے؟ عقل سلیم تو یہی تاتی ہے کہ غیاث بیگ مفلوک الحال کی لڑکی کو ولیعہد ہندوستان کی محبت کا علم ہوتے ہی عجیب غرور خود نمائی آمیز پیدا ہوا ہوگا اور مسرّت وافتخار کی ایک رَو ہر موئے بدن میں دوڑ گئی ہوگی! کہاں شہنشاہِ ہندوستان بننے والا جہانگیر اور کہاں مصیبت زدہ والدین کی لڑکی مہرالنسا خانم؟ اکبر نے جہانگیر کا یہ ارادہ محض اس وجہ سے پورا نہیں ہونے دیا کہ وہ مہرالنسا کو جہانگیر کے لئے قطعی ناموزوں، خلافِ شان، اور ذلیل سمجھتا تھا! محض اس خیال سے کہ محبت بڑھتے بڑھتے تعشق کا رنگ نہ لے لے، اکبر نے عجلت کے ساتھ علی قلی استا جلو کو راضی پاکر مہرالنسا کو اس کے سر منڈھ دیا اور اس طرح "گربہ کشتن روز اول" کے اصول پر جہانگیر کی محبت کو آغاز میں ہی کچل دیا! عام مورخین کا۔ اور زیادہ تر اُن افسانہ نگاروں کا جنھوں نے نور جہاں و جہانگیر کی محبت کو لیلےٰ و مجنوں کے عشق کے ہم پلّہ بنا دیا ہے۔ یہ خیال ہے کہ مہرالنسا خانم علی قلی کی بیوی بن گئیں لیکن اُن کی محبت جہانگیر کے دل میں برابر شعلہ کی طرح بھڑکتی رہی اور جہانگیر

کو علی قلی سے اسی وجہ سے رقابت پیدا ہوگئی یا یہ خیال ہی تمام غلط فہمی کی بنیاد اور از سرتا پا خلاف واقعہ ہے! ظاہر ہے کہ مہرالنسا خانم کی شادی کے بعد علی قلی ستا جلو جہانگیر کے ساتھ مہم رانا پر متعین رہا اور جہانگیر فی الحقیقت آتش رقابت سے جلتا ہوتا تو اپنے رقیب کو اپنے قبضہ میں پاکر بڑی آسانی سے اُسکا خاتمہ کر دیتا! کہا جا سکتا ہے کہ خوف اکبر یا خیال بدنامی مانع ہوا ہوگا مگر یہ بھی بے بنیاد خیال ہے: اس لیئے کہ اُسی زمانہ میں جہانگیر اپنے مخالف ابو الفضل کو، نہایت چالاکی اور دیدہ دلیری سے قتل کرا دیتا ہے اور خوف اکبر یا پاس عزت اس کو مطلق نہیں روک سکتا! اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ علامی ابو الفضل کس پایہ، اثر، اور مرتبہ کا شخص تھا؟ اکبر کسقدر اُس کی مٹھی میں تھا؟ اور وہ برہانپور سے کسقدر لشکر کے ساتھ واپس آرہا تھا؟ ظاہر ہے کہ ابو الفضل کے قتل سے جسقدر عتاب اکبری، کشت و خون، اور عام بدنامی کا اندیشہ ہو سکتا، بجا تھا۔ لیکن ابو الفضل کے قتل سے۔ با ایں ہمہ۔ کوئی خوف یا خیال، جہانگیر کو نہ روک سکا اور علی قلی کے خاتمہ کے لیئے جس کی لاش پر چار آنسو بہانے والے شاید کرایہ پر بھی میسر نہ آتے۔

عتاب اکبر کا احتمال مانع ہوا! اس کے جواب میں ایک بحث یہ پیدا کی جا سکتی ہے کہ ابو الفضل کا قتل امور مملکت سے تعلق رکھتا تھا اور ایک پولیٹیکل چیز تھی، برخلاف اس کے علی قلی کا معاملہ

محض ذاتی رقابت پر مبنی تھا: گویا اگر علی قلی قتل کرا دیا جاتا تو جہانگیر نسبتاً بدطینت اور رکیک الخیال سمجھا جاتا، اور اسی بدنامی کی وجہ سے وہ ایسی جرارت نہ کرسکا! لیکن واقعات اس کج بحثی کے بھی خلاف ہیں: اُسی زمانہ میں جہانگیر[۱۶] کا منظور نظر امرد ایک واقعہ نگار کے ساتھ دکن کی طرف بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور جہانگیر ان کو پکڑوا کر دونوں کی کھال اپنے سامنے۔ برسر دربار۔ کھچوالیتا ہے اور بدنامی و انگشت نمائی کا خیال اُسے مطلق پیدا نہیں ہوتا! اب عقل کام نہیں کرتی کہ ایسے زمانہ میں۔ جہانگیر جیسے مزاج کا شخص۔ اکبر کے مقابلہ پر آستینیں چڑھالیتا ہے، علامی ابوالفضل کو چشم زدن میں قتل کرادیتا ہے، اپنے امرد کی اور اس کو لے بھاگنے والے کی کھال کھنچوالیتا ہے؛ اور ان تمام باتوں میں کوئی خوف، خیال، یا وسواس اُس کو اپنے ارادہ اور آتش انتقام کی شعلہ فشانی سے باز نہیں رکھ سکتا۔ لیکن تعجب اور سخت تعجب ہے کہ اُسی زمانہ میں وہ علی قلی استاجلو کی بغل میں اپنی محبوبہ کو پاتا ہے، آتش رقابت سے سُلگتا رہتا ہے اور دم نہیں مارتا، اُف نہیں کرتا! علی قلی سے

نمبر ۱۶۔ کل واقعات منتخب اللباب خافی خاں میں بالتفصیل ملاحظہ ہوں۔ جلد اول صفحہ ۲۱۵ تا ۲۳۰!

نظر بگاڑ نا تو کجا، اُس کو جاگیرِ معقول عطا کرتا ہے اور شیر افگن خاں کا خطاب عطا کرتا ہے! فی الحقیقت۔ ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو۔ صاف معلوم ہوگا کہ جہانگیر کے دل میں کوئی رقابت کا خیال اس وقت نہ تھا، اور نہ مہرالنساء کی محبت اُس وقت موجود تھی، ورنہ علی قلی کا خاتمہ نہایت خاموشی اور بدرجہا آسانی کے ساتھ، کرا دیا جاتا اور مہرالنساء کو اپنے قبضہ میں کرلیا جاتا! جہانگیر کو جو محبت مہرالنسا سے پیدا ہوئی تھی، وہ علی قلی کی شادی کے ساتھ، آغاز ہی میں ختم ہو چکی تھی اور اُس کا کوئی ایسا گہرا نقش جس سے رقابت پیدا ہوتی جہانگیر کے دل میں مطلق نہ تھا!

اس محبتِ پوشیدہ سے کنارہ کرکے علی قلی کی روشِ ملاحظہ ہو! جہانگیر کی خدمت میں ہونے، اور جہانگیر سے ہی خطاب و جاگیر پانے پر بھی پہلی ہی مرتبہ اُس نے نمک حرامی اور دغابازی کا اظہار کیا! جہانگیر کو دغا دیکر۔ رکابی مذہب امرار کی طرح۔ اکبر سے جا ملا اور حقِ نمک کا یا استقلال و پامردی کا، احساس اُسے بالکل نہیں ہوا! نور جہاں کو رشکِ شیریں و لیلےٰ بنانے والے افسانہ نگار اسپر بھی یہ فرماتے ہیں کہ جہانگیر علی قلی سے رقابت کی وجہ سے جلتا تھا تو واقعہ کے کسقدر خلاف ہوگا؟ ولیعہدی کے زمانہ میں

جہانگیر نے۔ کسی نہ سمجھ میں آنے والی وجہ سے مجبور ہو کر۔ علی قلی کو ہاتھ نہیں لگایا تو آگے چل کر جب وہ تختِ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوا، اور تمام سلطنت خود مختار کے سیاہ و سفید کا بلا شرکتِ غیرے مالک و قابض ہوا، تو کونسا خیال اُس کو روک سکا اور باز رکھ سکا؟ شیر افگن پہلے سے ہی دغا دیکر اور ساتھ چھوڑ کر جہانگیر کی نظر میں باغی و مجرم قرار پا چکا تھا۔ ایسی صورت میں کسی حیلہ ڈھونڈھنے کی بھی حاجت نہ تھی۔ اگر جہانگیر کو کچھ بھی رقابت کا خیال ستاتا ہوتا تو شیر افگن دغا و بغاوت کے الزام میں آسانی سے نیست و نابود کر دیا جاتا اور عشق و محبت کا بظاہر نام بھی نہ آتا! لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ جہانگیر نے اپنے مخالفین کی پوری تعداد کو۔ جنھوں نے خسرو کا ساتھ دیا تھا چُن چُن کر پھانسی پر لٹکایا، مگر شیر افگن کے اگلے پچھلے قصور اب بھی معاف کئے اور بردوان کی حکومت عطا فرما کر عزت و طاقت میں اضافہ کیا! یہ واقعہ آتشِ رقابت کی من گھڑت پر اور پانی پھیرے دیتا ہے!

بردوان کی حکومت پاتے ہی شیر افگن ظلم و جور شروع کر دیتا ہے شکایات دو برس تک متواتر جہانگیر کے گوش زد ہوتی رہتی ہیں اور آخر جہانگیر کو اُس کے انسداد کے لئے متوجہ ہونا پڑتا ہے اقطب الدین

اُسی زمانہ میں بنگالہ کے والئسرائے مقرر ہوتے ہیں اور اُن کو حکم دیا جاتا ہے کہ شیر افگن کو راہ راست پر پائیں تو تعرض نہ کریں ورنہ بارگاہِ عالی کو روانہ کر دیں! اس حکم کو خدا جانے کن الفاظ میں اور کس حاشیہ کے ساتھ، شیر افگن کا وکیل ان کو لکھ مارتا ہے!

شیر افگن اپنے وکیل کی تحریر پر ایمان لا کر ایسے چراغ پا ہوتے ہیں کہ شاہی ملازمت کو شاہی واقعہ نگار کے مُنہ پر کھینچ مارتے ہیں اور "الٹی میٹم" دیدیتے ہیں کہ "میں آج سے شاہی ملازم نہیں ہوں" ترکِ ملازمت کا اعلان زبان سے تو فرما دیتے ہیں لیکن عملی طور پر بردوان کی حکومت کا لقمہ برابر نگلتے رہتے ہیں! قطب الدین خاں بنگالہ پہنچ کر آپ کو لکھتے ہیں تو آپ نہیں سنتے، بلاتے ہیں تو آپ نہیں آتے، اور اچھے خاصے بردوان کے خدائی فوجدار بنجاتے ہیں! مجبور ہو کر قطب الدین خاں آپ کی جاگیر میں خود حاضر ہوتے ہیں اور پیغام ملاقات بھیجتے ہیں! ملاقات کو جاتے ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ رخصت کے وقت فرماتی ہیں کہ "بو تم پیش از آں کہ مادر تو گریہ کند، مادرِ او را بہ گریہ آر!" قتل کا حکم نہ تھا، پھانسی

---

¹ مآثر الامرائے تیموری - جلد دوم - صفحہ ۶۲۴!

کا فرمان نہ تھا، پھر ایسے ارادہ کے کیا معنی؟

بہرحال، یہ خیال لئے ہوئے آپ ملنے جاتے ہیں تو بکتر و بیچہ، نیمہ آستین میں چھپا کر جاتے ہیں! ملاقات کے وقت قطب الدین خاں کو باتوں میں لگا کر ہمراہیان سے دور لیجاتے ہیں، لیجاتے ہیں اور موقعہ پاکر وہ بیچہ - جس کو آپ نہایت شجاعت کے ساتھ نیمہ آستین میں چھپا کر لائے تھے - قطب الدین خاں کے پیٹ پر مارتے ہیں! اس کے ساتھ ہی ہمراہیانِ قطب الدین خاں آپ پر آگرتے ہیں اور آپ کا خاتمہ ہوجاتا ہے! یہ ہیں وہ واقعات جن کی بدولت جہانگیر مجرم اور قطب الدین خاں جاں نثارِ مجرم کہے جاتے ہیں!

اسی واقعہ کے بدولت مہرالنساء خانم بیوہ ہوکر دہلی پہنچتی ہیں، اور عرصہ تک معتوب رہ کر جہانگیر کی محبتِ زائل شدہ کو رومال کاڑھ کاڑھ کر - یادِ ماضی کو تازہ کرتے ہوئے - از سرِ نو زندہ کرلیتی ہیں اور نور محل بلکہ نورجہاں بیگم بنجاتی ہیں! مورخین اسی وجہ سے درمیانی مدت میں بھی جہانگیر کو مبتلائے عشقِ نورجہاں فرض کرلیتے ہیں اور شیر افگن کے قتل کو بھی اسی عینک سے دیکھ لیتے ہیں! سچ یہ ہے کہ اُس دورِ شخصی میں کوئی اور سردار ہوتا اور شیر افگن کی طرح شورش پر کمر باندھتا تو اُس کا حشر بھی وہی ہوتا جو شیر افگن کا ہوا! سینکڑوں دل

امراء و سردار بغاوت و شورش کے جرم میں قتل کر دئے گئے اور کر دئے جاتے تھے حالانکہ اُن سے اور شاہ وقت سے کسی رقابت و محبت کا تعلق نہ ہوتا تھا! شیر افگن چونکہ نور جہاں کا شوہر تھا اور نور جہاں اس کے قتل کے بعد نور جہاں بنی اس لئے شیر افگن کے قتل کو۔ جو محض اُس کی اپنی حرکات کا نتیجہ تھا۔ مورخین نافہم نے اُسی محبت کے سانچہ میں ڈھال دیا! واقعات بتاتے ہیں کہ جہانگیر کو شیر افگن سے کبھی رقابت نہ تھی، نہ ہوئی! جہانگیر ہی نے اس کو علی قلی استاجلو سفرچی سے شیر افگن خاں بنایا: جہانگیر ہی نے اس کو بردوان کی حکومت کی عزت بخشی: اور جہانگیر ہی کے ساتھ ہمیشہ۔ ولیعہدی کے عالم میں بھی اور بادشاہت کے زمانہ میں بھی۔ شیر افگن دغا، نمک حرامی اور شورش کا اظہار کرتا رہا! آخر وقت میں بھی قطب الدین خاں اُسے سمجھا کر بارگاہِ عالی میں روانہ کرنے گئے تھے نہ کہ قتل کرنے: اُس کی پیشدستی خود اُس کے قتل کا باعث ہوئی اور اول سے آخر تک یہ قتل کسی طرح جہانگیر کی محبت سے متعلق نظر نہیں آتا!

خیر! قطب الدین خاں شیخ خوبو۔ پر کسی طرح کوئی الزام نہیں لگایا جا سکتا! اس سے کسی کو انحراف نہیں ہو سکتا کہ قطب الدین خاں

اپنے ولی نعمت شاہنشاہ۔ یا اپنے عزیز بھائی۔ کے حکم کی تعمیل میں آخر دم تک سچے مستقل مزاج، اور جاں نثار ثابت ہوئے! یہ نامور جاں نثار۔ وائسرائے بنگالہ۔ ۳۔ صفر ۱۰۱۶ھ [۱۸] / ۱۶۰۷ء کو اس دار ناپائدار سے سدھارے، اور ان کے پس ماندگان نے اُن کی دیکھنے کی بجائے۔ واپس آنے والے کشورخاں سے۔ ان کے وفات کی خبر سُنی! انا للہ وانا الیہ راجعون!!

شیخ فرید کم وبیش آٹھ سال کے تھے کہ یتیم ہوگئے: اس خبر سے پژمردہ ہوجانے کے قابل سمجھ اُن میں ضرور تھی، مگر مستقل اندیشی سے ابھی وہ ناواقف تھے! قسمت ہمہ داں، خاموشی کے عالم میں اُن کے پاس نما چہرہ کو دیکھتی اور کہتی:۔

"صبر کر! اے ناسمجھ معصوم صبر کر! مجھے اُس راستہ کی بنیاد ڈالنی ہے جس پر ہوش سنبھال کر تجھے قدم زن ہونا، اور یتیم سے دُرِّ یتیم بننا ہے!"

نمبر ۱۸– توزک جہانگیری سال دوم جلوس۔ ذکر قتل قطب الدین خاں: نیز مآثر الامرائے تیموری۔ جلد سوم صفحہ ۶۶!

(۴)

نشو و نما

عدم سے وجود میں آنے والا ہر بچّہ، نہ خاص عادات اپنے ساتھ لاتا ہے، نہ خاص زبان! حیوانیت کا مکمّل و بہترین نمونہ ہوتا ہے، اور بس! اس کے بعد جو کچھ پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جاتا ہے، وہ محض حالتِ گرد و پیش کا اثر یا انسانِ نگران کی کوشش کا نتیجہ ہے! پیدائش سے شباب تک کا زمانہ مختلف دماغی و جسمانی قوّتوں کے وجود میں آنے اور مکمّل ہونے کے باقاعدہ حصّوں پر منقسم ہے! ہر قوّت و طاقت ایک خاص عمر میں پیدا ہوتی ہے اور ایک خاص عمر تک اس کی ترقی و تکمیل منحصر ہے: اسی زمانہ میں اگر عمدہ اصولوں پر بچّہ کی پیدا ہونے والی طاقتوں کو سُدھارا جائے تو ان کی اصلاح اور حسب مرضی تکمیل ممکن ہے، ورنہ آگے چلکر کوئی تبدیلی یا اضافہ قریب قریب ناممکن سمجھا جاتا ہے! یہ ہی بیش بہا زمانہ کُل زندگی کی بنیاد اور مدت العمر کی عادات کا ذمہ وار مانا جاتا ہے! اسی وجہ سے دنیا نے ہمیشہ اسی زمانے کو تربیت و تعلیم کے

لیئے مخصوص رکھا!

تعلیم و تربیت ہر زمانہ کی تہذیب و طرز معاشرت کی پابند رہی ہے! جس زمانہ کو شیخ فرید کی تعلیم و تربیت سے تعلق ہے، یہ وہ زمانہ تھا جس میں تعلیم نوشت و خواند اور تعلیم اطوار و افعال جداگانہ مکتبوں اور علیحدہ علیحدہ اوقات میں نہیں دی جاتی تھی! اُس زمانہ کا اُستاد یا اتالیق تعلیم تحریر و تقریر کے ساتھ ہی تعلیم علوم و فنون مروّجہ کا بھی ذمہ دار ہوتا تھا! اتالیق زمانۂ حال کے ٹیوٹوریل سسٹم کا نقش اوّلین - بلکہ مثالِ عمدہ - سمجھا جا سکتا ہے! اُس زمانہ کے اُستاد یا اتالیق کا نام معلوم ہو جانے سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ تعلیم و تربیت کس مذاق اور کس پایہ کی ہوئی ہوگی؟ آٹھ برس کی عمر تک شیخ فرید کو جو کچھ تعلیم دی گئی وہ زمانہ قدیم کی درسی - مکتب والی تعلیم تھی جو وہ اپنے وطن بدایوں میں حاصل کرتے رہے! فی الحقیقت اس زمانہ میں آٹھ برس کی عمر تک نہ ہی ابتدائی تعلیم اور نشست و برخاست کے آداب سے زیادہ اور کسی خاص مذاق تعلیم کی بنیاد نہیں ڈالی جاتی تھی: قطب الدین خاں کے قتل کے وقت تک شیخ فرید کی تعلیم محض ابتدائی اور چاشنی علوم و فنون سے خالی تھی - اس لئے اُس کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی!

البتہ یتیم ہونے ہی تعلیم و تربیت میں ایک غیر معمولی اور قابل لحاظ انقلاب پیدا ہو گیا! نواب مرحوم کے دو صغیر سن لڑکے۔ شیخ فتح الدین اور شیخ فرید الدین۔ جو یتیم ہو گئے تھے توجہ و عنایات شاہی کے مورد ہوئے: جہانگیر کا بیان ہے کہ قطب الدین خاں کے قتل سے اُس کو۔ اکبر عرش آشیانی کے انتقال اور بی بی خدیجہ کی وفات کے بعد۔ تیسری مرتبہ قلبی صدمہ ہوا تھا، ایسی صورت میں مرحوم کی اولاد پر جسقدر توجہ شاہانہ مبذول ہوئی ہو تعجب خیز نہیں!

اس سانحہ کے بعد ہی شیخ فتح الدین و شیخ فرید دونوں قلعہ شاہی میں بلا لیے گئے اور محلات شاہی میں ان کی تربیت و تعلیم کا زمانہ گذرا! سنہ ۱۰۱۶ھ سے سنہ ۱۰۲۰ھ تک۔ قریب قریب پانچ سال تک۔ فتح الدین و فرید دونوں محلات میں اساتذہ شاہی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے رہے، اور ان کے بڑے بھائی شیخ ابراہیم کشور خاں مشغول خدمات سلطنت رہے! اس پانچ سال کے عرصہ کی تعلیم کا بھی مفصل حال نہیں ملتا اور نہیں بتایا جا سکتا

نمبر ۱۔ ملاحظہ ہو توزک جہانگیری۔ سال دوم جلوس۔ ذکر قتل قطب الدین خاں!
نمبر ۲۔ خاندانی قلمی تواریخ میں اس زمانہ کا حال مفصل درج ہے!

کہ شیخ فرید کے اُستاد اس زمانہ کے اساتذۂ شاہی میں سے کون
بزرگ تھے؟ نہایت مجمل طور پر صرف اسقدر پتہ چلتا ہے کہ شیخ
فرید اسی عرصہ میں قلعہ کے اندر عنایات شاہی کی بدولت شاہی
مکتب میں تحصیلِ علومِ مروّجہ میں مشغول رہے! ۱۰۱۲ھ سے تعلیم و
تعلّم کے رنگ میں ایک اور انقلاب ہوا اور سچ یہ ہے کہ یہ آخری
انقلاب ہی وہ چیز تھا جس نے شیخ فرید کو رموزِ مملکت اور رنگِ
خدماتِ تاج و تخت سے پوری طور پر واقف کر دیا! اس انقلاب
کے بیان کرنے سے پیشتر اس کی مجمل و مختصر وجہ ظاہر کر دینی دلچسپی سے
خالی۔ اور اصل مطلب سے غیر متعلق۔ نہ ہوگی! مہرالنسا خانم کو
خدا جانے کس قدر افسوس اور حیرت ہوئی ہوگی جب بردوان سے
واپس آتے ہی معتوب ہوکر، وہ سلیمہ بیگم کی لونڈی بنادی گئیں اور
محض نواب قطب الدین خاں کے دعوائے خون کے عیوض میں
چار پانچ سال معتوبِ شاہی رہیں! ۱۰۲۰ھ میں خدا خدا کرکے
وہ نور محل بنیں اور رفتہ رفتہ نور جہاں کا لقب حاصل کرکے سکّہ
پر ہی نہیں، بلکہ عملی طور پر۔ پسِ پردہ۔ تمام سلطنت پر سکّہ جما بیٹھیں!
اس کے بعد سے ہر حکم میں اکثر نور جہاں کی زبان جہانگیر کے مُنہ میں
بولتی نظر آتی تھی! پانچ سال کے عرصہ میں شیخ فرید کے بڑے

بھائی کشور[3] خاں قلعہ رہتاس کے عامل اور مختلف عنایات شاہی کے مورد بن چکے تھے: سالِ پنجم جلوس جہانگیری[4] میں انکا منصب اضافہ ہوکر "دوہزاری ذات وسوار" قرار پایا تھا، طویلہ خاص کا عراقی گھوڑا، خلعتِ خاص، اور فیل خاصہ۔ بخت حبیب نامی۔ عنایت ہوا تھا اور ملک اوچھ کے سرکشوں کی تنبیہ کے لئے نامزد ہوئے تھے! ان کے ساتھ ہی علاء الدین اسلام خاں۔ جو شیخ فرید کے چچا تھے۔ "پنج ہزاری[5]" منصب کے ساتھ گورنر بنگالہ مقرر ہوئے تھے اور اس درجہ تک ترقی کر گئے کہ حمّام وجھروکہ کی رسوم۔ جو محض بادشاہوں کے لئے مخصوص تھیں۔ ادا کرنے لگے تھے!

اسلام خاں اس خاندان میں اُس وقت سب سے زیادہ سر آوردہ تھے اور انھوں نے شیخ زادوں کا ایک بڑا لشکر جس کی جمعیت[6] بیس ہزار کی تھی۔ مرتب کیا تھا! نورجہاں یہ بھی جانتی تھی کہ جہانگیر کے دل میں قطب الدین خاں کی محبت اور دماغ میں حضرت سلیم

نمبر۳۔ تزک جہانگیری۔ سال سوم جلوس! نمبر۴۔ سالِ پنجم جلوس تزک جہانگیری!

نمبر۵۔ نواب قطب الدین خاں کے انتقال پر اول جہانگیر قلی خاں۔ جس کا نام لالہ بیگ یا لعل بیگ تھا۔ گورنر بنگالہ مقرر ہوا اور اس کے انتقال پر اسلام خاں کو یہ عزت ملی! (ملاحظہ ہو جہانگیر نامہ صفحہ ۲۵ و ۴۳ و مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸)

نمبر۶۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸!

چشتی کا اقتدار برابر باقی تھا، اور یہ بھی دیکھتی تھی کہ اس خاندان کی طاقت و عزت کھلّم کھلّا مقابلہ سے پامال نہیں کیجا سکتی اس لیئے اس نے یہ فطرت چلی کہ اسلام خاں کو ان کی پوری طاقت کے ساتھ بنگالہ کے مشہور خود سر، عثمان خاں افغان کے مقابلہ کے لیئے تعینات کیا! یہ وہ عثمان خاں تھا جو اکبر کے زمانہ میں راجہ مان سنگھ کی متواتر لشکرکشی پر بھی رام نہ ہو سکا تھا اور راجہ کو ہر مرتبہ بے نیل و مرام ہی واپس آنا پڑا تھا! اسلام خاں حکم شاہی کی تعمیل میں اپنی پوری طاقت کے ساتھ عثمان خاں کے مقابلہ کو گیئے: شیخ زادوں کے لشکر نے پٹھانوں کے مقابلہ میں جیسی شجاعت بے مثل اور جاں بازی بے نظیر کا اظہار کیا اُس کی داستان رستم و اسفندیار

نمبر:- بنگالہ کا ملک اقلیم دوم کا ملک تھا؛ چاٹ گام سے کرہی تک اُس کا طول، اور کوہستانِ شمالی سے سرکار بداپوں تک اس کا عرض، تھا! زمانۂ سابق میں وہاں کے حکام بیس ہزار سوار، ایک لاکھ پیدل، ایک ہزار ہاتھی، چار پانچ ہزار کشتیاں، اور معقول توپ خانہ و آلات حرب رکھتے تھے! شیر خاں و سلیم خاں کے زمانہ سے یہ ملک پٹھانوں کے تصرف میں چلا آتا تھا: اکبر کے زمانہ میں اکثر حصہ فتح ہو گیا تھا لیکن عثمان خاں پٹھان جو سب سے زیادہ طاقتور اور سرکش تھا زیر نہ ہو سکا تھا۔
(ملاحظہ ہو جہانگیر نامہ صفحہ ۵۹)!

کے فرضی فضوں پر پانی پھیر دیتی ہے: توزک جہانگیری، جہانگیرنامہ، مآثر الامرائے تیموری، قریب قریب تمام مستند تواریخ اس معرکہ کی مفصل کیفیت اور شیخ زادوں کی بے مثال شجاعت وجوانمردی کے واقعات سے لبریز ہیں! کشور خاں اور شیخ کبیر - جو اب شجاعت خاں بن چکے - اسلام خاں کی کمک پر متعین ہوئے تھے اور شریک پیکار رہے تھے: شجاعت خاں کی ذاتی دلیری نے ان کا نام ہمیشہ کے لئے "رستم زماں خاں" کے خطاب سے صفحۂ روزگار پر لکھ دیا اور میدان آخر کار اسلام خاں کے ہاتھ رہا! عثمان خاں قتل ہوا، بنگالہ کی فتح مکمل ہوئی، لیکن شیخ زادوں کی بہت بڑی جماعت تخت وتاج کے لئے فدا ہوگئی! شیخ فرید کے بڑے بھائی شیخ ابراہیم کشور خاں جو سردار جرانغار ہونے کی وجہ سے یمین کی فوج میں تھے آخر وقت تک بہادری کے ساتھ سینہ سپر رہ کر، شہید ہوئے! اسلام خاں کو شش ہزاری کا منصب اعلیٰ عنایت ہوا اور تمام خاندان پر عنایت خسروانہ مبذول ہوئی، لیکن اس وقت تک نور جہاں کی چالاکی کا گمان کسی کے دل میں

نمبر ۸ - ملاحظہ ہو Eliot's History of India Vol VI PP 328.

پیدا نہیں ہوا! اُسی سال[۹] میں جب شیخ فتح الدین کا دفعتاً انتقال ہوا، اور مرگِ مفاجات کی وجہ یہ معلوم ہوئی کہ ان کو محلِ شاہی میں زہر دیا گیا تو بیشک نور جہاں کی چال کم از کم اس خاندان کو نظر آنے لگی!

تعجب ہے کہ نور جہاں نے کشور خاں کو اُدھر ختم کرا دیا اور فتح الدین کو اِدھر مار ڈالا، لیکن فرید کو کیوں چھوڑ دیا اور یہ کس طرح بچ گئے!

جو کچھ بھی ہوا ایسے واقعات جن میں "ہر فرعونے راموسئے" والی ہستی، عجیب حیرت انگیز طریقہ سے بچ جاتی ہو، کم نہیں ہیں! شیخ فرید کے خاندان نے جہانگیر کے کان تک اس شکایت کو پہنچایا ہو یا نہ پہنچایا ہو، اُن کی واپسی کی درخواست ضرور کی ہوگی! افسوس ہے کہ ان واقعات پر پردہ پڑا ہوا نظر آتا ہے ورنہ معلوم ہو جاتا کہ اس درخواست پر کیا حکم ہوا اور کیوں ہوا؟ بہر حال جہانگیر نے[۱۰] شیخ فرید کو وطن واپس جانے کی تو اجازت نہیں دی البتہ محلّاتِ شاہی اور نور جہاں بیگم کے اثر سے نکال کر اعتماد خاں - نور جہاں کے بھائی - کے زیرِ نگرانی رہنے کا حکم دیا!

نمبر ۹- زہر دئیے جانے کا حال خاندانی قلمی تواریخ میں درج ہے!
نمبر ۱۰- ماخوذ از تواریخ قلمی خاندانی!

گویا اس طرح اور ان وجوہات پر ۱۰۲۱ھ سے وہ زمانہ شروع ہوتا ہے جبکہ فرید۔ ۱۳ سال کی عمر میں۔ اعتماد خاں کی اتالیقی میں دیدیئے گئے!

۱۰۲۱ھ سے ۱۰۲۸ھ تک۔ کم وبیش آٹھ سال شیخ فرید اعتماد خاں نور جہاں کے حقیقی بھائی۔ کی نگرانی و اتالیقی میں اُس زمانہ کے علوم و فنونِ مروجہ کی تحصیل میں منہمک رہے! ۱۳ برس کی عمر سے ۲۰ سال کی عمر تک کا زمانہ ہی رجحانِ طبع، مذاقِ علوم، اور مہارتِ فنون کے لئے بہترین زمانہ تھا اور یہ ہی حصۂ عمر اعتماد خاں جیسے بے بدل مدبّر اور بے نظیر وزیر کی صحبت و نگرانی میں گذرا۔ اس کے علاوہ زمانۂ زیر بحث ایسا معنی خیز اور سبق معمور زمانہ تھا جس میں تخت ہندوستان کی تقدیرِ مستقبل کی بنیاد بڑی چالاکی اور خوش اسلوبی کے ساتھ قلعہ کے حدود کے اندر ڈالی جا رہی تھی! اسی زمانہ میں شاہزادہ خرّم نے اعتماد الدولہ کی لڑکی سے۔ جو آگے چل کر ممتاز محل اور تاج محل بننے والی تھی۔ شادی کر لی تھی اور اس طرح اعتماد خاں کو ہمیشہ کے لئے، اور نور جہاں کو شروع شروع میں اپنا بنا لیا تھا: اسی زمانہ میں سر ٹامس رو۔ جیمز شاہ انگلستان کے سفیر۔ دربار جہانگیری میں تشریف لائے تھے اور معاہدہ کی

دقیق شرائط کا مسودہ بنا کر ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے۔ نہایت بیدار مغزی اور چالاکی کے ساتھ۔ مستقبل خوشگوار کی بنیاد ڈالنا چاہتے تھے: اسی زمانہ میں اعتماد خاں کو اپنی ملکی خدمات اور مدبّرانہ حکمت عملی کے بدولت آصف خاں کا خطاب ملا تھا! ایسے سبق دہ زمانہ میں قلعہ شاہی کی سکونت، سلطنت کی مشین کو چلانے والی اسٹیم کا مشاہدہ؛ ملک گیری و ملک داری کی شطرنج اور اُس کی دقیق چالوں کا معائنہ؛ اور یہ سب کچھ آصف خاں جیسے بیدار مغز مدبّر کی اتالیقی میں؛ سمجھا جاسکتا ہے کہ اس صحبت، اس زمانہ، اس نگرانی، اور اُس حالت نے شیخ فرید میں کیسی ٹھوس لیاقت اور مذاق سلیم پیدا کر دیا ہوگا اور ملکی معاملات کے سمجھنے، اور حکومت کی مشین کے چلانے، کو وہ کس درجہ سمجھ گئے ہونگے! شیخ فرید کی عمر کا وہ بیش بہا حصہ، جس میں انسان کی جسمانی و دماغی طاقتوں کا ایک صورتِ مستقل قبول کر لینا اور تکمیل کو پہنچ جانا ناگزیر ہے، ایسی صحبتِ اعلیٰ اور تربیتِ بے نظیر میں گذرا کہ عام طور پر اُس زمانہ میں ایسے گرد و پیش کا جمع ہو جانا محال تھا! اسی زمانہ کی تعلیم و تربیت نے اُن کی طبیعت میں بلند پروازی اور معاملہ فہمی کی قابلیت نہایت خوبی کے ساتھ پیدا کر دی! اسی زمانہ کی نشو و نما کا پہلا کرشمہ

یہ تھا کہ اُنھوں نے آصف خاں کی دوسری لڑکی۔ تاج محل کی بہن۔ شاہ پرور خانم[11] سے شادی کرلی!

نواب قطب الدین خاں کا تعمیلِ حکمِ شاہی میں کام آنا، یتیم ہوکر شیخ فرید کا محلات شاہی میں بلالیا جانا، نور جہاں کی چالاکی کے بدولت۔ "عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد" کے مصداق آصف خاں کی اتالیقی میں ہوش سنبھالنا، اور آخر میں آصف خاں کا داماد اور شاہزادہ خرم کا ہم زلف بنجانا، یہ تمام امور قسمت کے کرشمے تھے جو فی الحقیقت مستقبلِ کامیاب کی بنیاد۔ رفتہ رفتہ، اور آہستہ آہستہ۔ رکھتی جارہے تھے۔

نمبر ۱۱- بعض نسخوں میں یہ نام شاہ پرویز خانم درج ہے! آصف خاں کی اتالیقی اور شیخ فرید کی شادی کا حال قلمی تواریخ سے ماخوذ ہے جو خاندان شیخوپور کے قبضہ میں ہیں اور غیر مطبوعہ ہیں!

۴۳

(۱)

دورِ جہانگیری کی خدمات

دورِ جہانگیری کا بہت بڑا حصّہ شیخ فرید کی تعلیم حاصل کرنے
اور نشو و نما پانے میں گذر چکا تھا! اور نواب قطب الدین خاں
کے انتقال کے بعد سے سرکار بدایوں کی نظامت برابر خالی تھی!
کیونکہ کسی تاریخ میں قطب الدین خاں مرحوم کی نظامتِ سرکار
بدایوں کے بعد سے نواب فرید کے زمانۂ خدمت تک، کسی
اور شخص کا ناظم بدایوں مقرر ہونا نہیں پایا جاتا! شیخ فرید سنہ ۱۰۲۸ھ
سے سنہ ۱۰۳۰ھ تک۔ قریب قریب دو سال تحصیل علوم فنون کے
بعد چھوٹی چھوٹی خدمات میں حصّہ لیتے رہے، اور آصف خاں
کی نگاہ کے سامنے تجربہ حاصل کرتے رہے ہونگے! ان خدمات
کا علیحدہ طور پر ذکر کسی مورخ نے نہیں کیا ہے مگر عقل سلیم قلمی
تواریخ کی تحریر کو ضرور صحیح سمجھے گی جب اُس کو معلوم ہوگا کہ ۲۲
سال کی عمر میں شیخ فرید سرکار بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے!

نظامتِ بدایوں

آصف خاں کے اثر کی وجہ سمجھی جائے یا خود نواب قطب الدین خاں مرحوم کی جاں نثاری کے سبب سے - جو کچھ بھی ہو - سنہ ۱۰۳۰ھ میں شیخ فرید سرکار بدایوں کے ناظم مقرر ہوئے!

یہ سمجھ لینا کہ شیخ فرید یک لخت سرکار بدایوں کے ناظم مقرر کر دئے گئے ہونگے، عقل کے خلاف نظر آتا ہے - سرکار بدایوں اُس زمانہ میں صوبہ دہلی کی ایک سرکار تھی اور اُس میں - بموجب آئینِ اکبری - ۱۳ محال تھے، جن کا بہت بڑا حصہ اب بریلی، پیلی بھیت، شاہجہان پور، اور ایٹہ کے اضلاع میں چلا گیا ہے! محالات - عربلی بدایوں، سہسوان، کوٹ سالباہن، ساہنہ، ستاسی، گنور، مجھولا، وغیرہ کا مفصل حال گزیٹر بدایوں میں مل سکتا ہے؛

نمبر ا - شیخ فرید کا آخر دورِ جہانگیری میں ناظم بدایوں مقرر ہونا گزیٹر میں صاف طور پر درج ہے البتہ ٹھیک مدت کا حال اس میں نہیں مل سکا اس لئے تقرر کا سنہ اور مدتِ نظامت قلمی تواریخ سے لی گئی! ملاحظہ ہو

Discriptive and Historical account of the N.W.P. by H.C. Conbeares and Edwin T. Atkinson. Vol 5. PP104.

مختصر یہ کہ۔ سرکار[2] بدایوں کا رقبہ۔ صرف مزروعہ۔ نو لاکھ گیارہ ہزار ایکڑ تھا اور مالگزاری کم وبیش تین لاکھ چونتیس ہزار تھی: ہر محال کی حیثیت کے موافق فوج کی تعداد معیّن تھی جو اس محال کے حاکم کے پاس رہتی تھی۔ مثلاً حویلی بدایوں کے لئے پچاس سوار اور پانچ ہزار پیدل، سہسوان کے لئے سو سوار اور دو ہزار پیدل، کوٹ کے لئے پچاس سوار اور پانچسو پیدل، اور ستاسی کے لئے بھی پچاس سوار اور پانچسو پیدل مقرر تھے!

سرکار بدایوں ایک بڑی سرکار تھی اور اس کی نظامت کا عہدہ ایسی معمولی چیز نہ تھا کہ کسی نو آموز کو دیدیا جاتا۔ شیخ فرید نے سنہ ۱۰۲۸ھ سے دو سال تک اور خدمات میں حصہ لیکر اپنی قابلیت کا اظہار ضرور کیا ہوگا اور اسی وجہ سے ۲۲ سال ہی کی عمر میں سنہ ۱۰۳۰ھ میں سرکار بدایوں کی نظامت ان کو تفویض ہوئی ہوگی!

شیخ فرید سنہ ۱۰۳۰ھ ۱۶۲۲ء سے سنہ ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء تک ناظم سرکار بدایوں رہے!

نمبر ۲۔ ملاحظہ ہو District Gazetteers. U. P. Vol XV P.S. 142–144.

اس پانچ سال کے عرصہ میں کوئی فساد یا بد امنی سرکار بدایوں کے کسی محال میں پیدا نہیں ہوئی! کوئی عالمگیر قحط، مصیبت، افلاس، یا ظلم بھی اس عرصہ میں نہیں ہوا۔ گویا شیخ فرید کا زمانہ نظامت، سرکار بدایوں کا نہایت پُر امن اور خاموش زمانہ تھا! شیخ فرید ۱۰۳۵ھ ۱۶۲۶ء میں نظامت سے سبکدوش ہوئے[۳] کیونکہ ۱۶۲۸ء میں صرف ایک سال سلطان علی قلی خاں ناظم بدایوں رہا! مطبوعہ کتب تواریخ شیخ فرید کی علیحدگی کے معاملہ میں قطعی ساکت ہیں البتہ قلمی تواریخ میں اس سبکدوشی کی وجہ بھی نور جہاں کی ریشہ دوانی ظاہر کی گئی ہے!

نور جہاں اولاد قطب الدین خاں سے پہلے سے ہی حسد رکھتی تھی، آگے چلکر شیخ فرید کی شادی نے اُس عناد پر "اور سونے پر سہاگہ" کا کام کیا! تخت ہندوستان نور جہاں اور آصف خاں میں اپنے اپنے داماد کے لئے مابہ النزاع تھا! شیخ فرید بھی آصف خاں کے داماد بنکر اُسی گروہ میں شامل ہو چکے تھے اور کوئی تعجب نہیں کہ نور جہاں کی ریشہ دوانی ان کی سبکدوشی کا باعث ہوئی ہو!

نمبر ۳۔ ملاحظہ ہو گزیٹر بدایوں (جلد ۱۵) مندرجہ نوٹ نمبر (۲)

بنائے شیخوپور شیخ فرید کے زمانۂ نظامت کے اختتام کے قریب ایک اور واقعہ قابل تذکرہ نظر آتا ہے۔ شیخ فرید کے مورث جب سے فاتحانہ طور پر بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے تھے، عام آبادی سے علیحدہ ایک قلعہ میں رہتے تھے! شیخ فرید اور ان کے مورثوں کے ساتھ اہل بدایوں کا رنگ اچھا نہ ہو، یا خود اپنی خاندانی خصوصیات کو قایم رکھنے کی غرض سے، بہر حال کسی نہ کسی وجہ سے شیخ فرید نے بدایوں کی عام آبادی کے ساتھ دوش بدوش رہ کر مخلوط ہو جانا پسند نہیں کیا اور ۱۰۳۵ھ میں جہانگیر سے زمین کے لئے درخواست کی! اس درخواست پر زمین عطا ہوئی اور جس فرمان کے ساتھ عطا ہوئی اس کی نقل بجنسہ حسب ذیل ہے:-

" از عرضداشت نتیجۃ الامراء العظام، سلالۃ الاماجد الفخام، شایستۂ تربیت خسروانہ، سزاوار عاطفت بادشاہانہ، شیخ فرید معلوم گشتہ کہ قلعہ بدایوں را

نمبر ۴ - اس فرمان جہانگیری کی لفظ بہ لفظ نقل قلمی کتب خاندانی سے کی گئی ہے - ان میں لکھا ہے کہ اصل فرمان مرہٹوں کی لوٹ مار اور قتل و غارت کے زمانہ میں تلف ہو گیا!

گذاشتہ جائے دیگر وطن خود سازد۔ بنا بر
ملتمس، حکم جہاں مطاع، آفتاب شعاع،
گردوں ارتفاع، صادر شد کہ ہر جا کہ شیخ
فرید خواہش بکند موازی چہار ہزار بیگہ زمین،
بر و معاش، بگز آلہی، مزروعہ و افتادہ بالمناصفہ
باسمی شیخ فرید با فرزندان، از ابتداے فصل خریف
سنہ ہذا، دراں محال مقرر باشد کہ حاصلات
آنرا، فصل بفصل و سال بسال، در وجہ معیشت
خود صرف نماید باید کہ حکّام و عمّال و جاگیرداران
وکروریان حال و استقبال، در استمرار و استقرار
این حکم اقدس و اعلے کوشیدہ، آراضیٔ مذکورہ
را پیمودہ، چک بستہ، بتصرّف ایشاں وا
گزاشتہ، اصلاً و مطلقاً تغیّر و تبدّل بداں راہ
نہ دہند، و تغلب مال و اخراجات۔ مثلِ حلقہ و
پیشکش و جرمانہ و محصّلانہ و ضابطانہ و مہرانہ و
داروغکانہ و بیگار و شکار و درامی و مقدمی و صداوی
و قانونگوی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیصِ چک و پیداوارِ

زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی،
مزاحمت نہ رسانند! و شبابہا ہر سال فرمان
وپروانچہ مجدد وطلب ندارند واز فرمودہ درنگدرند
وعہد شناسند۔ تحریر فی التاریخ ۲۰- ماہ فروردی
الٰہی سنہ ۱۲ جلوس مطابق سنہ ۱۰۲۵ ہجری'' !!

فرمان بالا کی رو سے چار ہزار بیگہ زمین نواب فرید نے بدایوں سے
کم وبیش ۳ میل کے فاصلہ پر پسند کی اور دریائے سوتھ کے داہنے
کنارے پر، ایک برباد شدہ موضع - پھلیا - کی جگہ' ۲۸ درجہ اور دقیقہ
عرض البلد شمالی اور ۹، درجہ، دقیقہ طول البلد شرقی پر، ایک قصبہ
کی بنیاد ڈالی! اس قصبہ کا نام جہانگیر کے پیارے نام ''شیخو بابا''
کے لحاظ سے - جو حضرت سلیم چشتی نے رکھا تھا - شیخو پور رکھا!
ایک پختہ فصیل - جس کے چار گوشوں پر بارہ سنگین برج تھے - تعمیر
کرائی اور اُس میں دو عالیشان دروازے شمالی وجنوبی نکالے
اور اس کل زمین کو قلعہ کے نام سے موسوم کیا۔ اس قلعہ کے اندر

نمبر ۵ - شیخو پور کے قلعہ وغیرہ کی تعمیر کا مفصل حال قلمی تواریخ سے لیا گیا ہے جو شیخو پور
میں ۹ چند اصحاب کے قبضہ میں ہیں!

چاہ است وہ باغات کے علاوہ ایک وسیع محلسرائے تعمیر کرائی جس کا شمالی دروازہ نہایت عالی شان اور منبّت کار تھا! مسجد کی تعمیر تو ضروری چیز تھی ہی مگر اس کے ساتھ ہی ایک پختہ اور بہت بڑا تالاب بنوایا جس کے دو منزلہ دالان کے آثار اب تک یادِ ماضی کو تازہ کرتے رہے۔ اس تالاب کی وسعت کسی قدر اس سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس کا جنوبی دروازہ اسقدر اونچا تھا کہ ہاتھی معہ انباری کے گذر سکتا تھا!

تبرّکات سنہ ۱۰۳۵ھ میں نواب فرید نظامت بدایوں سے سبکدوش ہوئے، اسی سنہ میں فرمان مذکور الصدر ملا، اور غالباً اسی سنہ میں شیخوپور کی بنیاد رکھی گئی!

شاہجہان کے آغاز سلطنت تک نوّاب فرید عہدہ و ملازمت شاہی سے کنارہ کش رہے: گویا سنہ ۱۰۳۷ھ تک نوّاب فرید اپنے ذاتی معاملات میں مصروف و سرگرم رہے! بنائے شیخوپور کے ساتھ ہی ان کو اپنے مشہور و معروف بزرگ حضرت بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی یادگار بھی اس نئے مسکن میں قایم کرنے کا خیال پیدا ہوا! اسی خیال کی بدولت ایک زبردست فوج کے ساتھ پاک پٹن پہنچکر زیارت بابا گنجشکرؒ سے بہرہ اندوز ہوئے اور صاحب سجّادہ سے

تبرکات بابا صاحب کی نسبت گفتگو ہوئی جس کے حاصل کرنے
کے مدعی نواب فرید بطور اولاد کے تھے! صاحب سجّادہ تبرکات
بخوشی دینے پر رضامند نہ ہوئے، معاملہ نے طول کھینچا، اور جنگ
چھڑ جانے کی نوبت آگئی: آخر، اکابر وقت نے جمع ہو کر صلح کرائی
اور تصفیہ اس شرط پر قرار پایا کہ نوّاب فرید اپنی استدعا کو بابا صاحب
کی درگاہ میں پیش کریں، اگر وہاں سے اجازت مل گئی تو تبرکات
اُن کو دیدئے جائیں گے! اُسی رات کو نوّاب صاحب نے عقیدہ
سعادت آمیز کے ساتھ بابا صاحب کی جناب میں رجوع کی
اور اسی رات کو صاحب سجادہ کو بشارت ہوئی کہ "جو تبرکات
نواب صاحب چاہتے ہوں ان کو دیدئے جائیں" علی الصباح
درگاہ میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ حجرہ کا قفل خود بخود کھُل کر زمین پر آپڑا
تھا! ان قصّے قضیّوں کے بعد نواب فرید متعدد تبرکات لیکر واپس
آئے، اور ان کو احترام اور عقیدت کے لحاظ سے اپنے محلسرائے
کی سنگین چھت پر ایک حجرہ بنا کر رکھا۔ اس خیال سے رکھا کہ وہ
ہر وقت ان تبرکات کے زیر سایہ رہیں! یہ ہی وہ تبرکات ہیں
جو ۵ محرّم کو عرس بابا صاحبؒ کے موقع پر ہر سال اب تک نکالے
جاتے ہیں اور حاضرین کو ان کی زیارت سے بہرہ اندوز کیا

جاتا ہی !

سنہ ۱۰۳۵ھ سے سنہ ۱۰۳۷ھ تک شیخ فرید کسی عہدۂ ممتاز پر نظر نہیں
آتے، اور قلمی تواریخ اس کی وجہ نور جہاں کی ریشہ دوانی بتاتی
ہیں، تاہم ان کے منصب[۶] "ہزار ذات و چہار صد سوار" میں آخر
وقت تک کوئی فرق نہیں آتا اور وہ جہانگیر کے دم آخر تک
منصب داروں میں عزت کے ساتھ باقی رہتے ہیں !

نمبر ۶ - ماثر الامرائے تیموری صفحہ ۲۰۲ جلد اول !

(۲)
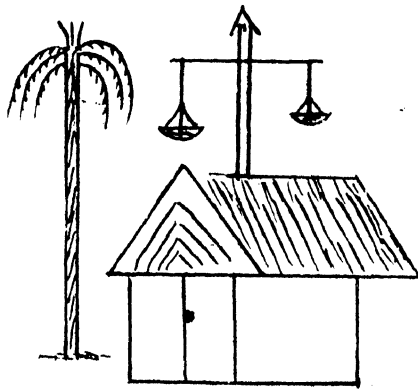
دورِ شاہجہانی کی مہمّات

شیخ فرید اول تو آصف خاں کی اتالیقی میں رہنے کی وجہ سے، اور سب سے زیادہ۔ بعد میں۔ آصف خاں کے داماد بنجانے کے باعث۔ سے آصف خاں والے گروہ میں۔ گویا شاہجہاں کے طبقۂ اثر میں۔ تھے اور سمجھے جاتے تھے! نورجہاں تختِ ہندوستان کو جہانگیر کے بعد بھی اپنے داماد شہریار کے نام سے اپنے زیرِ قدم رکھنا چاہتی تھی: فی الحقیقت نورجہاں کو اپنی ذکاوت، طبّاعی، فطرت اور قابلیتِ کارفرمائی کے اظہار کا عملی طور پر اُسی وقت سے موقعہ ملا جب سے وہ شیر افگن کے گمنام گھر سے نکلکر جہانگیر کی آغوشِ حکومت نصیب میں آئی! اُس میں اور اُس کے بھائی آصف خاں میں اسی تخت و تاج کی بدولت چلنی چاہیئے تھی اور چلی! اعتماد الدولہ غیاث بیگ کی زندگی میں ہی یہ آتشِ عناد بہن بھائیوں کے دلوں میں مشتعل ہو چکی تھی مگر اُس کا کُھلّم کُھلّا ظہور اعتماد الدولہ کے جیتے جی نہ ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ

نورجہاں کے مقابلہ میں آصف خاں کے بجائے کوئی اور ہوتا تو نتیجہ بھی شاید کچھ اور ہوتا! لیکن لوہے کو لوہا ہی کاٹتا ہے اور ایک ہی پیٹ میں پاؤں پھیلانے والے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے!

تاج وتخت

جس وقت جہانگیر نے کشمیر سے واپس آتے ہوئے، راستہ ہی میں، سفرِ آخرت کا رُخ کیا تو صورت واقعات آصف خاں اور شاہجہاں کے لئے نہایت نازک تھی! شہریار نورجہاں کے اشارہ پر جہانگیر کو مرتا چھوڑ کر لاہور جا پہنچا تھا اور شہنشاہ ہندوستان کے انتقال کی خبر کے ساتھ ہی خزانہ شاہی پر قبضہ حاصل کر چکا تھا، شاہجہاں ہزاروں کوسوں۔ ہندوستان کے دوسرے سرے پر مہم دکن میں مصروف تھا، اور نورجہاں و آصف خاں جہانگیر کے ہمرکاب کشمیر سے واپس آرہے تھے! داراشکوہ، دارابخش، شجاع، اورنگ زیب، مراد، قریب قریب تمام شاہزادے نورجہاں کے چنگل میں تھے! شہریار نے فراہمی جمعیت کے لئے خزانہ شاہی کا مُنہ، آنکھیں بند کر کے۔ کھولدیا تھا اور آصف خاں نے شاہجہاں کو خبر کرنے اور اپنے حامی سرداروں کو جمع کرنے کے لئے کاغذی

گھوڑے دوڑا دئے تھے! نوّاب فرید، شاہی نمک پروردہ ہی نہیں، شاہ جہاں کے ہمزلف بھی تھے اور آصف خاں والے گروہ میں شایستہ خاں کے بعد ان ہی کا نمبر۔ تعلقات کے لحاظ سے۔ سب سے اوپر تھا! یہ منصب دار بھی تھے، جاگیردار بھی تھے، ناظم بدایوں بھی رہ چکے تھے، اور اولاد بابا صاحب علیہ الرحمۃ پر۔ جو اکبر کے زمانہ سے خدمات تاج و تخت کے لئے میدانِ جنگ میں سرفروشی کرتی رہی تھی۔ بہت پورا اثر بھی رکھتے تھے! اس لئے ان کا اچھی جمعیت کے ساتھ امداد پہ جا پہنچنا محال نہ تھا! یہ تو نہیں بتایا جاسکتا کہ وہ اس تھوڑے عرصہ میں کسقدر نفوس فراہم کرسکے، تاہم اپنے مرحوم باپ کی طرح۔ جنھوں نے جہانگیر کا ساتھ شاہزادگی کے عالم میں اُس وقت دیا تھا جبکہ اکثر امرا رکابی مذہب ثابت ہو چکے تھے۔ یہ بھی شاہجہان کے لئے اس وقت کھڑے ہوے جب لاہور کے میدان میں آصف خاں کی ایک ہزار کی جمعیت کے مقابلہ میں شہریار کی پندرہ ہزار مسلح فوج پر اجمائے تھی! بہادروں کی پامردی وجانبازی کے بدولت۔ اور آصف خاں کی بے نظیر حکمت عملی یا ڈپلومیسی کے سبب سے۔ میدان آصف خاں کے ہاتھ رہا! شہریار اور اس کی بیوی گرفتار ہوے، نورجہاں نظربند

ہوئیں، اور تھوڑے عرصہ تک دارا بخش حکمت آمیز انتظام کے رنگ میں تخت پر جلوہ افروز رہا! شاہجہاں کے دکن سے آگرہ پہنچتے ہی، نہ دارا رہا نہ سکندر، حق حقدار کو پہنچکر شاہزادہ خرّم شاہجہاں بن گیا! ۸۔جمادی الثانی ۱۰۳۷ھ ۲۸ ۱۶ء کو شاہجہاں شاہنشاہ ہندوستان بنا اور رجب کے مہینے میں آصف خاں کی مظفر ومنصور جمعیت - جو فی الحقیقت سلطنت شاہجہانی کی بانی تھی۔ لاہور سے آگرہ آکر بہرہ اندوزِ زیارتِ شاہی ہوئی۔ نواب فرید بھی اسی گروہ میں تھے، خدمت تاج وتخت میں پامردی کا اظہار کر چکے تھے، مستحقِ عنایتِ شاہی تھے، اور مظفر وکامیاب قدمبوسی کی خاطر حاضر ہوے تھے! شاہجہاں کو ان کی سچی جاں نثاری اور استقلال آمیز پامردی کا احساس تھا چنانچہ اُسی کے عوض میں ان کے مرتبہ وجاگیر میں اضافہ کیا گیا اور منصب ”یک ہزار و پانصدی“ ذات اور ”ششصد سوار“ قرار پایا!

مہم تاج وتخت کے بعد سے ۴ سنہ جلوس شاہجہانی تک شیخ فرید کا نام کسی مہم میں علیحدہ طور پر نہیں آتا، البتہ ۴ سنہ جلوس میں جب

نمبر ۱۔ ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ مولفہ ملا عبدالحمید لاہوری - جلد اول دورِ اول - صفحہ ۱۸۴!

آصف خاں مہم بالاگھاٹ سے محمد عادل کو تنبیہ دیکر واپس آتا ہی اور اس کے ہمراہی سرداروں کی عزت افزائی کیجاتی ہے تو شیخ فرید کا منصب قدیمہ بھی[۲] دو سو سواروں کا اضافہ ہوکر "یک ہزار و پانصدی" ذات اور "ہشت صد سوار" - یعنی ڈیڑھ ہزار ذات اور آٹھ سو سوار - قرار پاتا ہے: اس سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ شیخ فرید بھی مہم بالاگھاٹ میں شامل ہوے ہوں کیونکہ یہ اضافۂ منصب اُسی جماعت کے ساتھ ہوا تھا جو اُس مہم سے واپس آئی تھی! تاریخ میں شیخ فرید کی شرکت مہم مذکور کی نسبت کوئی ذکر علیحدہ نہیں ملتا؛ اس لئے یقینی طور پر شرکت و عدم شرکت کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا - جو کچھ بھی ہو شیخ فرید اس زمانہ میں مصروف خدمات ضرور تھے کیونکہ ۵ جلوس شاہجہانی میں پھر ان کے مرتبہ میں اضافہ کیا جاتا ہے اور خدمات پسندیدہ کے صلہ میں منصب قدیمہ[۳] اضافہ ہوکر " دو ہزاری ذات و یک ہزار دو صد سوار" - یعنی دو ہزار ذات اور بارہ سو سوار - قرار پاتا ہے! اگرچہ تاریخ اس موقعہ پر بھی صاف صاف اُن خدمات کا تذکرہ نہیں

نمبر ۲- بادشاہ نامہ مولفہ ملا عبدالحمید لاہوری - جلد اول دور اول صفحہ ۴۰۷ !

نمبر ۳- بادشاہ نامہ مولفہ ملا عبدالحمید لاہوری - دور اول جلد اول صفحہ ۴۴۴ !

کرلی جن کے بدولت یہ اضافہ ہوا تھا، تاہم اس افزونی مراتب سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس وقت مصروف پیکار تھے!

نواحِ دہلی اس زمانہ کی چھوٹی چھوٹی مہمات میں شیخ فرید کا علیحدہ طور پر تذکرہ جلوس شاہجہانی کے آٹھویں سال میں ملتا ہے۔ دہلی کے گردونواح میں تمام دہقان آبادی نے دوچار با اثر باغیوں کے بل پہ ایک شورشِ عظیم برپا کردی تھی اور امنِ عامہ کو آئے دن کی لوٹ مار سے نابود کردیا تھا! ۱۰۴۴ھ ۱۶۳۵ء میں شاہجہاں نے شاہ آباد کے پڑاؤ پر۔ بتاریخ ۲۔ رمضان المبارک اسلام خاں، شیخ فرید، اور دیگر سرداروں کو۔ جن کی کل جمعیت سات ہزار سوار کے قریب ہوتی۔ اس مہم پر متعین کیا اور حکم دیا کہ وہ دریائے جون۔ یعنی جمنا۔ کو عبور کرکے اُس پار کے باغیوں سے مقابلہ کریں: باغی پورے جتھے اور سامان کے ساتھ مقابلہ پر نظر آتے تھے کیونکہ ٹیلوں، خندقوں، اور گھنے جنگلوں میں متعدد کمین گاہیں تیار تھے اور ان سب باتوں سے وہ

نمبر ۴۲۔ بادشاہ نامہ۔ دورِ دوم جلد اول۔ صفحہ ۱۰۷!

اپنی طاقت پر اعتماد رکھتے تھے! شیخ فرید اور دیگر سرداروں نے معمولی مقابلہ میں ہی باغیوں کو مار بھگا دیا اور سرعت کے ساتھ تعاقب کر کے ان کے تمام استحکامات کو توڑ ڈالا! شورش کرنے والوں کی بہت بڑی تعداد کام آئی اور بقیۃ السیف تمام مال و اسباب چھوڑ کر جان بچا لیجانے میں کامیاب ہوئے! یہ حملہ اسقدر تیزی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ صرف ۲۲ یا ۲۳ روز میں کل نواح دہلی مادۂ فاسد سے پاک ہوگئی! [۵] ۲۔ رمضان کو جب شاہجہاں دہلی سے تیسری منزل ہیں، سامی گھاٹ کے قریب، خیمہ زن تھا، اسلام خاں، شیخ فرید، اور شائستہ خاں باغیوں کا استیصال کر چکنے کے بعد، ان کے پس ماندہ سامان و مویشی کے ساتھ۔ حاضر بارگاہ ہوئے! ۳۔ شوال کو اکبرآباد پہنچکر خطابات و مراتب عنایت ہوتے ہیں۔ اور شیخ فرید کا منصب بھی روز افزوں ترقی سے متمتع ہوتا ہے! اب [۶] بجائے دو ہزار کے "دو ہزار و پانصدی ذات و ہزار و پانصد سوار"۔ یعنی ڈھائی ہزار ذات اور ڈیڑھ ہزار سوار۔ کی عزت نصیب ہوئی ہے!

نمبر ۵۔ بادشاہ نامہ۔ دورِ دوم جلد اول۔ صفحہ ۷۶!

نمبر ۶۔ بادشاہ نامہ۔ دورِ دوم جلد اول۔ صفحہ ۸۵!

مہم جھجار سنگھ

سب سے پہلی مرتبہ شیخ فرید جس بڑی مہم میں شریک ہوئے وہ جھجار سنگھ کا مقابلہ تھا!

جھجار سنگھ راجہ نرسنگھ دیو کا لڑکا تھا۔ یہ نرسنگھ دیو وہی ہے جس نے جہانگیر کی شاہزادگی کے زمانہ میں اس کے اشارہ سے ابوالفضل کو برہان پور سے واپس آتے ہوئے راستہ میں قتل کیا تھا اور اس کے معاوضہ میں دورِ جہانگیری میں راجہ کا خطاب اور اوندچھہ کا پرگنہ دربارِ شاہی سے پایا تھا: جھجار سنگھ شاہجہاں کے خلاف اول سے رہا مگر ۲ سنہ جلوس شاہجہانی میں اس کے تمام قصور شاہجہاں نے معاف کر دئیے تھے! اس پر بھی وہ باز نہ آیا

نمبر ۷۔ ملاحظہ ہو منتخب اللباب خافی خاں۔ جلد اول صفحہ ۵۰۹!

نمبر ۸۔ جھجار سنگھ ۳ سنہ جلوس میں مہابت خانِ خاناں ناظم دکن کی ماتحتی میں متعین تھا۔ اُسی سال خانخاناں سے رخصت لیکر وطن گیا اور اپنی جگہ بکرما جیت عرف جگراج اپنے لڑکے کو دکن میں چھوڑ گیا! وطن پہنچتے ہی بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور بھیم نراین زمیندار ولایت گڑھہ پر جا چڑھا۔ اُس کے عزیز و اقارب کو قتل کر کے تمام مال لوٹ لیا اور اپنے لڑکے جگراج کو خفیہ طور پر اطلاع کی وہ چھپ کر بھاگ آئے۔ جب بھیم نرائن کا لڑکا دربارِ شاہجہانی میں فریادی ہوا تو فرمان صادر ہوا کہ وہ خیر اسی میں ہے کہ علاقہ ولایت گڑھہ بھیم نرائن کو واپس دے اور لوٹ مار جس کا اندازہ دس لاکھ تھا۔ (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اور سنہ جلوس مذکور میں پھر اُس نے بغاوت پر کمر باندھی۔ اس کے مقابلہ کے لئے شاہجہاں نے اول اول تین افواج عبداللہ خاں فیروز جنگ، سید خان جہاں، اور خان دوراں کی سرداری میں علیحدہ علیحدہ متعیّن کر کے تین مختلف سمتوں سے حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ مگر بعد میں اس خیال سے کہ "تینوں سردار کسی بات پر آپس میں نہ بھڑ جائیں یا ایک دوسرے کا حکم ماننے میں تامل نہ کرے،" اُس نے ۱۵۔ ربیع الثانی سنہ ۱۰۴۴ھ ۱۶۳۵ع کو شاہزادہ محمد اورنگزیب کو سرِ عساکر مقرر کر کے ایک ہزار تیر انداز و برق انداز اور ایک ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ مذکورہ بالا تینوں افسروں کے اوپر متعین کیا! شاہزادہ محمد اورنگ زیب کے ساتھ جو سردار مقرر ہوئے اُن ہی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۲) نغذ داخل کرے ورنہ اس کی خطا معاف نہیں کی جائے گی،، مگر ججھار سنگہ نے کچھ پروا نہیں کی اور اس کا لڑکا جو بالاگھاٹ پر متعین تھا چھپ کر بھاگا اور دھامونی میں اپنے باپ سے جا ملا! ججھار سنگہ مکر کے طور پر عرضداشت بھیجتا ہے مگر سند رکب رائے جب اُس کے علاقہ میں پہنچتا ہے تو معاملہ دگرگوں پاتا ہے اور شاہجہاں کو اطلاع دیتا ہے کہ ججھار سنگہ دغا باز ہے اور ہر طرح آمادۂ فساد ہے! ججھار سنگہ کے فساد کا (بقیہ) ہو جانے پر شاہجہاں فیروز جنگ کو بھاندیر کے نواح میں، خاندوراں کو چندیری میں، اور سید خان جہاں کو بداؤں کے قریب معہ افواج متعینہ کے ٹھہرنے اور حکم شاہی کا منتظر رہنے کے لئے روانہ کرتا ہے! (بادشاہ نامہ۔ جلد اول دور دوم صفحہ ۹۴ لغایت ۹۸)

میں شیخ فرید[۹] بھی تھے جو چند مہینے پیشتر نواح دہلی کی شورش کے استیصال سے فارغ ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ان کے سگے بھتیجے۔ یعنی شیخ ابراہیم کشور خاں کے لڑکے شیخ الہ دیا بھی تھے!

سپہر[۱۰] عساکر شاہزادہ اورنگ زیب کے حکم کے موافق تینوں افواج نواح بھاندیر میں شاہزادہ سے آملیں اور اوندچہ کی طرف بڑھنا شروع ہوا! اوندچہ سے تین کوس کے فاصلہ سے ایک گھنا جنگل شروع ہوتا تھا جس کے راستے نہایت دشوار گذار تھے! ججھار سنگھ پانچ ہزار سوار اور دس ہزار پیدل کی جمعیت کے ساتھ اوندچہ میں تھا! لشکر شاہی روزانہ جنگل کو کاٹتا اور راستوں کو ہموار کرتا ہوا پیشقدمی کرتا تھا اور ججھار سنگھ کی متعینہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں گھنے درختوں کی آڑ پکڑ کر لشکر شاہی پر تیر و تفنگ برسایا کرتی تھیں! لشکر شاہی بڑھتے بڑھتے کھمروالی پر قابض ہوگیا ججھار سنگھ دہامونی کی طرف اور وہاں سے بھی چوڑا گڑھ کی طرف بھاگا اور قلعہ دہامونی پر اپنے ایک

نمبر ۹ - ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ جلد اول دور دوم صفحہ ۹۹ و ۱۰۰!

نمبر ۱۰ - مہم ججھار سنگھ کے کل واقعات بشرح و بسط بادشاہ نامہ میں درج ہیں - ملاحظہ ہو جلد اول دور دوم صفحہ ۱۰۶ لغایت ۱۱۷ -

معتمد رنتا نامی کو مقرر کر گیا! لشکر شاہی نے دہامونی کا محاصرہ کر لیا اور آدھی رات تک نہایت جانبازی کے ساتھ لڑ کر قلعہ فتح کر لیا۔ سید خان جہاں مفتوحہ علاقہ کے نظم و نسق کے لئے چھوڑے گئے اور بقیہ سردار و افواج دشمن کے تعاقب میں سرگرم ہوئیں! زمیندار دیوگڑھ اسی زمانہ میں مر گیا اور جھجار سنگھ کو چوراگڑھ کے قلعہ و اسباب جنگ کو غارت کر کے دکن بھاگ جانے کا راستہ مل گیا! لشکر شاہی نے چوراگڑھ کے قلعہ پر بھی قبضہ کر لیا اور پوری سرعت کے ساتھ فوراً تعاقب شروع کر دیا! جھجار سنگھ دو ہزار سوار و چار ہزار پیادہ کی جمعیت کے ساتھ ۶۰ زر آمود ہاتھی لئے ہوئے ۔ ۸ کوس گونڈی روزانہ طے کر رہا تھا اور لشکر شاہی تعاقب کی دُھن میں ۱۰ کوس گونڈی روزانہ قطع کر رہا تھا۔ بعض دن سرداروں نے آدھی رات سے ہی تعاقب شروع کر دیا اور دوسرے دن غروب آفتاب تک ۲۰ کوس گونڈی طے کئے! اسی طرح سخت تعاقب کے بعد لانجی سے آگے دشمن کو جا لیا، سخت مقابلہ پیش آیا اور جھجار سنگھ

نمبر ۱۱۔ ایک کوس گونڈی دو کوس رسمی کے برابر ہوتا تھا یعنی ۸ کوس گونڈی ۱۶ کوس کے برابر سمجھنے چاہئیں! (بادشاہ نامہ)

پھر طوغ ونقارہ، چار زر آمود ہاتھی اور نو اونٹ چھوڑ کر، جان بچا لیجانے میں کامیاب ہو گیا اور گولکنڈہ کی طرف بھاگا!
سرداران جفاکش نے بغیر آرام کیے پھر تعاقب آدھی رات سے شروع کر دیا اور صبح ہوتے ہی دشمن کو پھر جا لیا! لشکر شاہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، دشمن کی قریب قریب کل تعداد کام آئی اور جھجار کا لڑکا درگھبان اور بکرماجیت کا لڑکا ورجن سال اسیر ہوئے! جھجار و بکرماجیت پھر بھی جان بچا کر جنگل کی طرف بھاگ گئے! لشکر شاہی نے تالاب کے کنارے منزل کی ہی تھی کہ جھجار سنگھ اور بکرماجیت کی ایک جماعت گونڈ کے ہاتھ سے قتل ہونے کی خبر ملی!
جھجار سنگھ کے باپ نرسنگھ دیو نے گھنے جنگلوں اور دشوار گذار مقامات پر کنوئیں کھود کھود کر کثیر زر و جواہر دفن کیا تھا اور جھجار سنگھ نے اپنے زمانہ میں ان دفینوں میں اور اضافہ کیا تھا۔ اب یہ تمام جواہرات فاتحین کے ہاتھ آئے! گویا مہم جھجار سنگھ سے قریب ایک کروڑ روپیہ نقد خزانۂ عامرہ میں داخل ہوا اور ایک ولایت جس کا محاصل تقریباً ۰ ۵ لاکھ روپیہ تھا تصرف میں آئی!
شیخ اب تک کسی ایسی بڑی مہم میں شامل نہ ہوئے تھے مہم

جھجار سنگھ پہلا موقعہ تھا جس میں شیخ فرید سردار فوج کی حیثیت سے شریک مہم ہوئے!

تسخیر سنگمنیر

شیخ فرید مہم جھجار سنگھ سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ شاہجہاں نے اسی سال شایستہ خاں کی جمعیت میں دیگر سرداروں کے ساتھ ان کو بھی ساہو[۱۲] بھونسلا کی تادیب اور انتزاعِ قلعہ ہائے جنیر و سنگمنیر و ناسک و ترنبگ کے لئے متعین کیا! شایستہ خاں آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ، رمضان المبارک سنہ ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۶ع کو روانہ ہوا اور سرداران متعینہ کو رخصت کے وقت خلعت و انعامات علیٰ قدر مراتب عطا کیئے گئے!

نمبر ۱۲- ساہو بھونسلا کے ہواخواہوں نے جلوس شاہجہانی کے نویں سال میں بہت سر اُٹھایا- نظام الملک خود تو قلعۂ گوالیار میں نظر بند تھا لیکن اس کے مقلد سرگرمِ بغاوت تھے- انھوں نے اس کے خاندان میں سے ایک لڑکے کو اُس کا جانشین بنا کر نظام الملک کے لقب سے اُسے ملقب کیا اور ولایت بے نظام کے محالات کو قبضہ میں لا کر بغاوت کا عَلَم بلند کیا! شاہجہاں جو اُن دنوں دولت آباد (دکن) میں خیمہ زن تھا جب اس کو اس بغاوت کے استیصال کا خاص طور پر انتظام کرنا پڑا- ساہو کا وطنِ اصلی چپار کونڈہ تھا جو ولایت احمد نگر سے متصل تھا! شاہجہاں نے خان زماں کو احمد نگر اور کوکن کی فتح پر متعین کیا، (بقیہ نوٹ صفحۂ آئندہ پر)

شایستہ خاں نے آگے بڑھ کر پہلی منزل پر اللہ وردی خاں کو تھوڑے لشکر کے ساتھ اپنی جمعیت سے علیحدہ کرکے چاندور، اچلاگر، اور چھوٹے بڑے قلعوں کے تصرف میں لانے کے لئے روانہ کیا اور خود بقیہ سرداران متعینہ اور سپاہ کو لیکر ساہو کے تعاقب میں چلا! پہلا مقابلہ پرگنہ سنگمنیر میں ساہو بھونسلا کے لڑکے سیواجی سے ہوا۔ سیواجی نے اپنی پوری طاقت سے مقابلہ کیا مگر سپاہ شاہی نے نہایت جاں بازی کے ساتھ سرگرم پیکار رہکر شکست ہی نہیں دی بلکہ پاؤں اُکھیڑ دئیے اور تھوڑے ہی عرصہ میں پرگنہ سنگمنیر سے سیواجی اور اس کی باغی جماعت کو مار بھگایا۔ باغی سنگمنیر سے بھاگ کر ناسک کی حدود میں داخل ہوگئے اور وہاں کی رعایا پر ظلم و تعدّی کرنے لگے! شایستہ خاں کو اس ظلم و بدامنی کی خبر ملی تو اس نے شیخ فرید کو ناسک کا تھانہ دار مقرر کیا اور باغیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا! شیخ فرید ناسک کی طرف چلے اور ان کو معلوم ہوا کہ تمام رعایا بدامنی اور باغیوں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۷) خاندوران کو قندھار و ناندھیر کے قبضہ میں لانے پر مقرر کیا اور شایستہ خاں کو آٹھ ہزار کی جمعیت سے جنیر، سنگمنیر، ناسک۔ اور تربنگ کے قلعوں کو باغیوں کے تصرف سے نکالنے اور ساہو کی فرار واقعی تادیب کے لئے روانہ کیا! شیخ فرید شایستہ خاں والی جمعیت میں متعین رہ کر سرگرم پیکار رہے! (ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید لاہوری۔ جلد اول دور دوم صفحہ ۱۳۵ - ۱۳۷ - شیخ فرید کا ذکر صفحہ ۱۳۷ پر ملیگا!) بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر۔

کے دستِ تطاوّل سے تنگ آکر اپنا گھربار چھوڑ بھاگی ہے اور فصل ایستادہ کا خبرگیراں کوئی بھی نہیں رہا ہے! باغیوں پر[۱۴۵] شیخ فرید کی ہیبت اس درجہ طاری تھی کہ اُن کے ناسک کے حدود میں قدم رکھتے ہی تمام باغی۔ بلاکسی قابل ذکر مقابلہ کے۔ سر پر پاؤں رکھکر ناسک سے کوکن کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے! احمد خاں نیازی دندوری میں اور مہمند سردار انکولہ میں ضبط پرگنات کے لئے اور زیادہ ترسراسیمہ اور خائف رعایا کو تسلّی دیکر زراعت کے کاروبار پر واپس لانے کی غرض سے متعین ہو چکے تھے۔ بہت تھوڑے عرصہ میں شیخ فرید نے ناسک کو باغیوں کے وجودِ شر انگیز سے پاک کر دیا اور امن و انتظام قایم کرکے رعایا رکاشتکار جماعت کو آرام و آسایش کی زندگی بہم پہنچادی!

ناسک ناسک کی تھانہ داری پر متعیّن ہونے کے بعد سے ہی شیخ فرید شایستہ خاں والی جمعیت سے علٰحدہ ہو گئے! شایستہ خاں جنیر کی فتح اور سیواجی کے مقابلہ میں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۹۸) نمبر ۱۴۳- بادشاہ نامہ جلد اول دور دوم- صفحہ ۱۴۸!

نمبر ۱۴۵- بادشاہ نامہ جلد اول دور دوم- صفحہ ۱۴۹!

منہمک رہا مگر یہ پھر اُس جمعیت کے ساتھ شریک پیکار نہیں رہے! ناسک اور اس کے نواح کو باغیوں کے وجود سے پاک کرنا اور تمام رعایا و کاشتکاروں کو تسلّی دیکر از سرِ نو آباد کرنا ایسا اہم فرض تھا جس میں ان کا تمام تر وقت صرف ہوا؛ ناسک ہی میں نہیں بلکہ اس کے نواح کے مواضعات سے بھی باغیوں کو صاف کرنا تھا اس لئے کم و بیش سال بھر شیخ فرید باغیوں کے استیصال میں با مختلف مقامات پر مصروف رہے! چنانچہ اُسی زمانہ کے ایک فرمانِ شاہجہانی سے ان خدمات کا بیّن ثبوت ملتا ہے! یہ فرمان جس کی نقل حرف بحرف درجِ ذیل ہے۔ شیخ فرید کی اُس عرضداشت کے جواب میں صادر ہوا تھا جو انھوں نے موضع اہولی کے رفع بغاوت کے بعد ارسالِ بارگاہِ شاہجہانی کی تھی: فرمان پُرانا اور بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اکثر جگہ سے پھٹ گیا ہے اس لئے جہاں جہاں عبارت اُڑ گئی ہے وہاں نقل کرنے میں نقطے لگا دئے گئے ہیں:۔

"خانہ زاد قابل الرحمۃ، لایق العنایۃ والمراحم، شیخ

نمبر ۱۵ - یہ فرمان شاہجہانی اصلی خان بہادر شفاء الملک حکیم (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

فرزند المخاطب ...... بعنایتِ بادشاہانہ
مشتمل و امیدوار گشتہ بداند کہ عرضہ داشتے کہ
در بنولا .... نوشتہ۔ بدرگاہِ عالم پناہ ارسال
داشتہ بود بتاریخ ۲۵۔ فروردین برسید و انچہ از
تنبیہ نمودنِ مقہوران کہ در موضع اہولی جمع شدہ
بودند و در بعضے مواضع آنہا ارمی رسانیدند معروض
داشتہ بود، معلوم رائے عالم آرائے گردید
وار سے محب محراے آں خانہ زاد شد۔ می باید
کہ ہمیں دستور مقہورانِ آں سرزمین را آنچناں
تنبیہ نماید کہ دیگر اثرے از آنہا نماند و رعایا مرفہ الحال
بود .... و مقام حوالے و ناسمدار موہ
تخلف و انحراف نورزد۔ "تاریخ ۲۸ ...... سنہ ۹ جلوس"

اسی فرمان کی پشت پر "برسالہ مرید خاص و فرزند تمام اختصاص دارا شکوہ۔ معروفت کمترین فدویان افضل خاں" درج ہے! اس فرمان کی عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ تھانہ دار مئی ناسک کے زمانہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۰) رضی الدین احمد خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی و شیخوپور کے قبضہ میں تھا۔

میں شیخ فرید موضع اہولی اور اُس کے قرب و جوار کے مواضعات کو باغیوں کے وجود سے پاک کرنے میں مصروف رہے!

فساد جندوار

ناسک کی تھانہ داری کی میعاد کم و بیش ایک سال نظر آتی ہے کیونکہ دوسرے سال فرید کو دوسری مہم پر جانا پڑتا ہے! شاہجہاں کو محالِ پرگنہ سہسوان میں۔ شیر و صحرائی جانوروں کے شکار میں۔ خبر ملی کہ جندوار کے فساد پیشہ باغی موضع کروین میں جمع ہوئے ہیں اور بغاوت پر آمادہ ہیں! ۹۔ شوال ۱۰۴۸ھ[۱۶] کو شاہجہاں نے شیخ فرید، اصالت خاں اور دیگر سرداروں کو اس فساد کے فرو کرنے اور باغیوں کی سرکوبی کے لئے متعین کیا۔ بہادروں نے سرعت کے ساتھ بڑھکر قلعہ جا پایا۔ کا۔ جس پر باغیوں کو بہت کچھ گھمنڈ تھا۔ محاصرہ کر لیا اور باغی قلعہ بند ہو کر تیر و تفنگ برسانے میں مشغول ہوئے! سرداروں نے کمند کے ذریعہ سے۔ نہایت دلیری کے ساتھ۔ مقابلہ کرتے ہوئے، فوج کو دیوار پر سے بھی اندر اُتارا اور دروازہ پر قابض ہو کر اُس طرف سے بھی اندر جا گھُسے! باغی زیادہ تر تلوار خون آشام کے نذر ہوئے!

نمبر ۱۶۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۱ و ۲۲!

اور کمتر اسیر ہوئے! شاہی سرداروں میں سے محض جان سپار خاں، کالڑ کا کام آیا! چند دن میں قلعہ جاپالشکر شاہی کے قبضہ میں تھا اور پرگنہ جندوار مادۂ فاسد سے پاک تھا!

پرگنہ جندوار کے فساد کو دور

تنبیہ ہزارہ جات

کر چکنے کے بعد خدا جانے شیخ فرید اور مہمات میں حصّہ لیتے رہے یا نہیں۔ تاریخ کا سکوت اس وقت دور ہوتا ہے جب ۱۰۵۰ھ میں یہ مہم ہزارہ جات پر متعین ہوتے ہیں! ہزارہ جات کی شورش اور نذر محمد خاں والئے بلخ کی سرکشی، ایسی چیزیں[۱] تھیں جن کے مستقل استیصال

نمبر ۱۔ جہانگیر نے اپنے زمانۂ شاہنشاہی میں کابل کی طرف سے لاپروائی اختیار کر لی تھی اور اسی کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ ملنگتوش نامی ایک باغی نے موقعہ پاکر ہزارہ جات ونواح کابل کے اکثر شہر اپنے تصرف میں لاکر مال گزاری دینے اور ناظم کابل کی اطاعت کرنے سے قطعی انحراف شروع کر دیا تھا۔ شاہجہاں کو تخت نشینی کے وقت سے اس کا خیال تھا مگر ۱۰۵۰ھ سے پیشتر دیگر مہمات نے اُسے اس طرف توجہ کرنے کا موقعہ نہ دیا: اگرچہ ۱۰۴۹ھ میں شاہ شجاع کو اسی حصہ کی تسخیر پر مامور کیا تھا مگر اُس سے شاہ ایران کو یہ شبہ ہوا تھا کہ شاہجہاں کا ارادہ ماوراء النہر کے چھین لینے کا ہے۔ مختصر یہ کہ شاہجہاں کو شجاع کے تعین سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوا اور مجبوراً ۱۰۵۰ھ میں تنبیہ ہزارہ جات کے لئے باقاعدہ لشکر کشی کرنی پڑی! (ملاحظہ ہو بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۴۸)

کا ارادہ شاہجہاں کے دل میں عرصہ سے تھا لیکن اُس کا عملی ظہور کافی طور پر ۱۶۴۶ء سے پیشتر نہیں ہوا۔ اس سال خان دوراں[18] بہادر نصرت جنگ اور سعید خاں بہادر ظفر جنگ اور شیخ فرید معہ دیگر سرداران اس مہم پر نذر محمد خاں کی تادیب کے لئے مقرر ہوئے اور شاہ ایران کو مطمئن کر دیا گیا کہ وہ اس لشکر کشی سے کوئی اور غلط فہمی نہ پیدا کرے! لشکر شاہی نے دونوں جانب سے ہزارہ جات پر حملہ شروع کیا اور تمام علاقہ کو باغیوں اور شر انگیز شخصوں کے وجود سے پاک کر دیا۔ نذر محمد خاں اس وقت بلخ میں تھا۔ فتح شاہی کو سنتے ہی ہراساں ہو گیا اور نذر گراں بہا کے ساتھ نامۂ اطاعت منصور حاجی کے ہاتھ شاہجہاں کی خدمت میں روانہ کر کے طالبِ معافی ہوا! سرداران شاہی نے ۲۴۔ ربیع الاول کو مژدۂ کامیابی بادشاہ کی خدمت میں پہنچا دیا! لشکر کو واپسی کا حکم ملا اور شیخ[19] فرید نصرت جنگ کے ساتھ دارالخلافہ تک آ کر اپنے علاقہ کی طرف چلے آئے!

نمبر ۱۸۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۴۸۔ تا ۱۵۳ !

نمبر ۱۹۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۱۵۴ !

مہمِ مئو

شیخ فرید کو اپنے علاقہ میں مشکل سے چند ماہ
کے لئے آرام میسر آیا ہوگا کیونکہ شاہجہاں مئو
کی فتح پر اور جگت سنگھ و راج روپ کی تنبیہ
قرار واقعی پر ہمہ تن متوجہ تھا! جب[2] ہر طرح معلوم ہوگیا کہ "جگت سنگھ
محض مکر اور بے ایمانی سے جہاں تک ہو سکے کام لینا چاہتا
ہے" تو ۱۰۵۱ھ (۱۶۴۲ء) میں شاہجہاں نے تین سرداروں کی ماتحتی
میں تین فوجیں اسی مہم کے لئے متعین کیں۔ سعید خاں بہادر
ظفر جنگ والی فوج کے ساتھ جو سردار بطور کمک یا امداد
متعین ہوئے تھے اُن ہی میں شیخ فرید بھی تھے۔ ہر سہ افواج
کو حکم ملا کہ مختلف سمتوں سے پیشقدمی کریں اور پٹھان پر تمام

نمبر ۲- سنہ ۱۳ جلوس شاہجہانی میں جبکہ جگت سنگھ کشمیر میں ہمرکاب خدمت شاہی
تھا۔ شاہجہاں کو راج روپ کے ارادۂ فاسد اور بغاوت سری کا حال معلوم ہوا
اور اُس نے اس کا انتظام ضروری سمجھا! راج روپ جگت سنگھ کا بڑا لڑکا تھا
جس کو شاہجہاں نے سال گذشتہ میں بسنہ ۱۲ جلوس میں۔ اظہار اطاعت
پر دامنِ کوہِ کانگڑہ کی فوجداری پر مقرر کر دیا تھا۔ اب ایک سال بعد جو اس
کی بغاوت کا پتہ چلا تو اس کے باپ جگت سنگھ نے بندگان شاہی میں
درخواست دی کہ بجائے راج روپ کے اُس کو کانگڑہ کی فوجداری پر مقرر کیا
جائے تو وہ راج روپ جیسے ناشدنی لڑکے کو بھی (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

فوجیں ایک دوسرے سے آملیں اور شاہزادہ مراد بخش کا انتظار کریں جو ہر سہ افواج کا سر عساکر کمانڈر ان چیف۔ مقرر ہوا تھا۔ یہ مہم اُس زمانہ کے لحاظ سے بڑی اور پیچیدہ لڑائیوں کے شمار میں آتی ہے۔ بادشاہ نامہ اور منتخب اللباب اس کے تفصیلی حالات سے بھری پڑی ہیں! میں محض ضروری نقل وحرکت کو نذر ناظرین کرتا ہوں! سر عساکر شاہزادہ مراد بخش رسد وآذوقہ کے لئے پیٹھان میں خیمہ زن رہا۔ سید خان جہاں قلعہ نور پور کی طرف چلا۔ اور شیخ فرید ظفر جنگ کے ساتھ دامن کوہ ہاں کی طرف سے بڑھکر نواحِ مئو میں اصالت خاں سے جا ملے! راجہ باسو کے باغ کو معسکر بنایا گیا راجہ باسو جگت سنگھ کا باپ تھا جس نے یہ باغ درّہ کے دہانہ پر ہموار جگہ نصب کیا تھا!

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۵) سزا دے اور مرزبانوں سے تحصیل وصول کے بعد نذرانہ واجب بھی پیشکش کرے! شاہجہاں کی نیک سرشتی نے اس درخواست کو قبول کرلیا اور جگت سنگھ کشمیر سے روانہ ہو کر وطن کو چلا! وہاں پہنچتے ہی کیسا عیاں اور کہاں کا انتظام۔ قلعہ جات اور درّوں کو مضبوط کیا، راستے قریب قریب مسدود کر دئے اور قلعہ تاراگڑھ کو کیل کانٹے سے درست کرلیا! شاہجہاں نے اس کی خبر پاتے ہی سندر کب رائے کو تحقیق کی غرض سے بھیجا سندر نے جو کچھ وہاں معلوم کیا اور جو کچھ لکھا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ جگت سنگھ بظاہر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

اس مقام سے قلعۂ مئو تک سلسلۂ کوہ، ناہموار درّے، دشمن کے
مورچے، تنگ راستوں پر کمین گاہیں، اور مختلف دشوار گذار
استحکامات حائل تھے! ہر بند اور ہر مورچہ پر لشکر شاہی کو دشمن
کی جماعتوں سے جو استحکامات کی آڑ پکڑ کر تیر و تفنگ برساتی تھیں
دوچار ہونا پڑتا تھا اور یہ مقابلوں کا سلسلہ برابر روزانہ جاری تھا!
شاہزادہ کے حکم سے ظفر جنگ اور شیخ فرید رُپر والے راستہ
کی طرف چلے! دامنِ کوہ تک پہنچکر ٹھہرنا پڑا! سعد اللہ و عبد اللہ
ظفر جنگ کے بیٹے۔ انتخابِ معسکر کے لئے پہاڑی کے اوپر
گئے اور اپنی جمعیت کے ساتھ جنگل اور جھاڑ جھنکاڑ کے صاف
کرنے میں مصروف ہوئے، دشمن کو تراکم اشجار نے بہت کچھ
دلیر بنا رکھا تھا لہذا چار پانچ ہزار کی جماعت برابر والی اونچی پہاڑی
پر نمودار ہوتے ہی آتشِ پیکار گرم کر بیٹھی! ظفر جنگ نے
دامنِ کوہ سے لطف اللہ کو پہلے، اور شیخ فرید کو تھوڑے سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱) اطاعت کی جھول اوڑھنا چاہتا ہی مگر فی الحقیقت برسرِ فساد ہے اور آمادۂ
پیکار رہا ہے اسی لئے دھوکا دیکر اور زیادہ وقت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس تحقیق خبر
کے بعد شاہجہاں نے سید خانجہاں۔ سعید خاں ظفر جنگ۔ اور راجہ جی سنگھ کی
سرداری میں تین افواج روانہ کیں اور شاہزادہ مراد بخش کو سرعسا کر مقرر کیا۔ شیخ فرید ظفر جنگ
والی فوج میں تھے (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۲۷ تا ۲۳۹) (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

وقفہ کے بعد، کمک پر روانہ کیا! دشمن در اصل تمام درخت زار میں مور و مار کی طرح پھیلے ہوئے تھے! لطف اللہ کو راستہ ہی میں ایک گروہ نے آلیا! زد و خورد شروع ہو گئی، لطف اللہ زخمی ہوا مگر پیچھے آنے والی کمک۔ یعنی شیخ فرید والی جماعت۔ عین وقت پر پہنچکر آڑے آئی! کمک نے پوری بہادری کے ساتھ دشمن کو مار بھگایا اور لطف اللہ کو بمشکل تمام بچا لیا! دو روز کے اندر پُر کے قریب معسکر کے گرد خندق و خار بست کا مستحکم دور بن گیا!

پیش قدمی روزانہ تھوڑی ہوتی تھی! چھوٹے چھوٹے مقابلے، دلیرانہ معرکے، سرعت آمیز حملے، روزانہ پیش آتے تھے اور روزانہ لشکر شاہی غالب آتا جاتا تھا! ان سب معرکوں میں ۱۲۔شعبان والا معرکہ زیادہ اہم تھا۔ اس دن لشکر شاہی اُس باڑ کے سامنے پہنچ گیا تھا جو دشمن نے راجہ باسو والے باغ کی متصل پہاڑی پر باندھی تھی! نجابت خاں، ذوالفقار خاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰۷) نمبر ۱۲۔ بادشاہ نامہ ملا عبدالحمید لاہوری جلد ۲ صفحہ ۲۶۵!

توپ خانہ کے ساتھ، اور شیخ فرید[۲۲] (معہ اور امرار) جماعتِ تیر و تفنگ انداز کو لیکر، مختلف سمتوں سے باڑہ کی طرف بڑھے! شیخ فرید والی جماعت بڑی بہادری کے ساتھ، لکڑی کے تختوں کو سپر بنائے اور محض سر بچائے، دشمن کی بارشِ تیر و تفنگ کا مطلق بھی خیال نہ کرکے، سرعت کے ساتھ حملہ آور ہوئی! تیزی کے ساتھ دوڑ دوڑ کر منچلے باڑ کے قریب پہنچے اور اُن ہی سپر کا کام دینے والے تختوں کو نہایت جلد ترتیب دیکر بڑی دلیری کے ساتھ باڑ کے مقابل میں اپنا مورچہ بنا لیا! مورچہ کے مستحکم ہوتے ہی باڑ پر جا پڑے اور نہایت خونریز معرکہ پیش آیا۔ دشمن کی قریب قریب کُل جماعت جو اس باڑ پر متعین تھی طعمۂ شمشیر ہوگئی! اس معرکہ میں سب سے زیادہ دلیری شیخ فرید والی جماعت نے دکھائی اور باڑ کو سینہ سپر ہوکر فتح کرلیا! ایسے ہی معرکوں کا سلسلہ برابر جاری رہا! غرۂ رمضان المبارک وہ دن تھا جب شاہجہان کی تاکید کی وجہ سے شاہزادہ مراد بخش خود بھی پٹھان سے بڑھا اور سب پر پھر تاکید کی گئی کہ بہادری اور جان بازی سے کام لیں!

نمبر ۲۲ - بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۶۶!

شاہزادہ مراد بخش، ظفر جنگ اور شیخ فرید، بہادر خاں، خانجہاں، مختلف سمتوں سے قلعۂ مئو پر بڑھے۔ پانچ روز تک نہایت سخت اور خونریز لڑائی جاری رہی جس میں دو تین ہزار سپاہی لشکرِ شاہی سے شہید ہوئے اور کثیر تعداد دوسری جانب کی کام آئی! قلعہ مئو کا بیرونی حصار اس قدر جانفشانی کے بعد نظر آیا! شاہزادہ نے یورش کا ایک دن مقرر کرکے تمام سرداروں کو اطلاع دیدی اور تاکید کردی کہ اُس روز حتی الامکان قلعہ فتح کرلیا جائے! تمام سردار تاریخ مقررہ پر اپنی اپنی جانب سے حملہ آور ہوئے۔ لڑائی کے گھمسان اور خونریزی کی شدت نے قلعہ کی فصیل و دروازہ کو نمونۂ دوزخ بنا دیا۔ معرکۂ خونریز نے کثیر التعداد قالبوں کو زندۂ جاوید روح کی نعمت سے محروم کرکے قلعہ مئو کو لشکر شاہی کے ہاتھ میں دیدیا! یہ فتح آخر رمضان المبارک میں ہوئی جس کے ساتھ جگت سنگھ تارا گڑھ کی طرف بھاگ گیا!

فتح مئو کے بعد ظفر جنگ تو واپس بُلا لئے گئے اور پنجاب کی طرف بھیجے گئے مگر بقیہ افواج شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ تارا گڑھ کی مہم پہ متعین ہوئیں! یہاں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ شیخ فرید ظفر جنگ والی جماعت کے ساتھ واپس گئے یا تارا گڑھ کی مہم میں بھی شریک ہوئے۔

بادشاہ نامہ کی عبارت سے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ ایسی صورت میں مہم تاراگڑھ میں شیخ فرید کی شرکت یا عدم شرکت۔ دونوں میں سے کسی۔ پر یقین کے ساتھ کوئی رائے نہیں لگائی جا سکتی! ہم اسی وجہ سے مہم تاراگڑھ کو چھوڑ تے ہیں!!

تا تختِ کابل

صوبۂ قندھار[۲۳] دارائے ایران کی آنکھ میں عرصہ سے کھٹک رہا تھا۔ کھُلّم کھُلّا اس کا ظہور ہوا۔ صفدر خاں صوبہ دارِ قندھار و عزیز اللہ خاں حارسِ بُست نے شاہجہاں کو اطلاع دی کہ شاہِ ایران نے ایک لشکرِ جرّار رستم خاں گرجی سپہ سالار کی سرداری میں قندھار کے لئے روانہ کیا ہے جو فی الحال نیشاپور میں شاہ ایران کے پہنچنے کا منتظر ہے! شاہ جہاں کو ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء میں اپنے

نمبر ۲۳- صوبۂ قندھار اور اس کے مضافات مملکتِ ہندوستان میں عرش آشیانی محمد جلال الدین اکبر کے وقت سے شامل ہو چکے تھے۔ جہانگیر کی عدم توجہی نے اس صوبہ کو ہاتھ سے نکال دیا۔ شاہ جہاں نے عنانِ سلطنت ہاتھ میں لیتے ہی اس از دست رفتہ حصہ کو پھر فتح کی صورت میں حاصل کر لیا۔ صفی دارائے ایران کی نگہ اس حصہ پہ پہلے سے تھی شاہجہاں کا الحاقِ قندھار اس کو شاق ہو گیا۔ اول اول تو بات بات میں خواہ مخواہ کی رکاوٹ پیدا کرتا رہا، تنبیہ ہزارہ جات کے وقت بھی غلط فہمی (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

بجائے شاہزادہ داراشکوہ کو رخصت کرنا پڑا! دارائے ایران کا مقابلہ معمولی چیز نہ تھی۔ اُس زمانہ کی دو بڑی طاقتیں دست و گریبان ہونا چاہتی تھیں! شیخ فرید مہم مئو سے[۲۴] واپس آتے ہی اس مہم پر متعین ہوئے! صوبہ داران متعینہ کی افواج مجموعی پچپن[۵۵] ہزار کے قریب تھی اور شاہی فوج، توپ خانہ و کارخانجات کے علاوہ، پانچ ہزار سوار برقنداز و کماندار، اور پانچ ہزار پیادہ تفنگچی و باندار تھی! صوبہ داران متعینہ کو رخصت کے وقت بطور سفر خرچ بڑی بڑی رقمیں عطا ہوئیں! شیخ فرید کو بھی اپنے منصب کے لحاظ سے[۲۵] ڈیڑھ لاکھ روپیہ ملا! یہ عطائے شاہانہ تو عام تھی لیکن شیخ فرید کے ساتھ جو خصوصیت برتی گئی وہ اس سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۱) پیدا ہو جانے کی کوشش کرتا رہا، مگر جب کوئی معقول حیلہ ہاتھ نہ آیا تو کھلم کھلا فتح قندھار پر کھڑا ہو گیا! فی الحقیقت وہ عرصہ سے قندھار کے لئے روز بے تاب، و شب بے خواب، تھا۔ اس قدر عرصہ تک رک جانا بھی محض اس وجہ سے ہوا کہ سلطان مراد خاں فرماں روائے روم نے بغداد کا رخ کیا اور صفی شاہِ ایران کو اس کے مقابلہ میں مشغول پیکار رہنا پڑا۔ سلطان مراد نے بغداد تو فتح کر لیا تھا لیکن فرنگیوں کی نیتِ بد کی اطلاع پا کر وہ فوراً استانبول کی طرف لوٹ پڑا! ادھر میدان خالی پا کر مملکت رفتہ کو شاہ صفی نے قزلباشوں کی بڑی تعداد نذرِ شمشیر چڑھا کر پھر حاصل کر لیا۔ پھر اس کے بعد دو سال تک بچی کھچی فوج کے جمع کرنے اور نقصانات کو پورا کرنے میں مصروف رہکر (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

علیحدہ رہی۔ ان کو رخصت کے وقت علم[26] بھی عطا ہوا، اور بیش بہا خلعت اور گھوڑا بھی مرحمت ہوا!

یہ لشکر جرار شاہزادہ دارا شکوہ کے ساتھ کابل بسرعت پہنچا اور دریائے نیلاب کو عبور ہی کر چکا تھا کہ صفی شاہِ ایران کے اس دارِ ناپائدار سے کنارہ کر جانے کی خبر ملی! شاہجہاں نے پھر بھی یہ ہی حکم بھیجا کہ ٹھہر کر تحقیق کرو اور تحقیقات کا نتیجہ بھی وہی نکلا۔ کیونکہ واقعی شاہِ ایران ۱۲ صفر کو شکار میں مصروف، عادتِ مے آشامی کے سبب...

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۲) سنہ جلوس شاہجہانی میں قندھار کا عزم کیا اور رستم خاں گرجی سپہ سالار کو سپاہِ گراں کے ساتھ روانہ کیا! (بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۱)

نمبر ۲۴۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۳! منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۵۸۹۔

نمبر ۲۵۔ رخصت کے وقت تمام منصب داروں کو جو سفر خرچ کی رقمیں ملی تھیں وہ اس حساب سے ملی تھیں کہ ہر سو سوار کے منصب دار کو دس ہزار روپیہ اور کم و زیادہ والے کو اسی حساب سے کم اور زیادہ: شیخ فرید کا منصب اس وقت "دو ہزار و پانصدی ذات" اور "دو ہزار و پانصد سوار" تھا۔ شرح مذکور کی رو سے ڈیڑھ لاکھ شیخ فرید کا سفر خرچ آتا ہے۔ (بادشاہ نامہ جلد دوم ۲۹۵)

نمبر ۲۶۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

نمبر ۲۷۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۲۹۴!

ہو گیا تھا اور اُس کا نابالغ بچہ شاہ عباس کے خطاب سے
قزوین میں تخت نشین ہو چکا تھا! داراشکوہ کا دانت ہرات
اور سیستان پر تھا مگر شاہ جہاں کی عالی ظرفی نے ایک خورد سال
لڑکے کی مملکت کا کوئی جز فسخ کر لینا شایان شان نہ سمجھا۔ مجبوراً
تمام لشکر و امراء کو واپس آنا پڑا۔ منصب داروں کا تمام حوصلہ
دل ہی میں رہ گیا! مہم قندھار نے محض تاخت کابل میں جنم
لے لیا!

نظمِ دار الخلافہ

تاریخ سے پھر پتہ نہیں چلتا کہ
"تاختِ کابل" سے واپسی
پر شیخ فرید، نصرت جنگ والے
لشکر میں متعین ہو کر مہم کشمیر پر چلے گئے یا اور کسی مہم میں مصروف
پیکار رہے! ان کا ذکر علیحدہ طور پر، اس وقت ملتا ہے جب وہ
دار الخلافہ اکبر آباد کے ناظم مقرر ہوتے ہیں! اکبر آباد پایہ تخت ہونے
کی وجہ سے۔ ظاہر ہے کہ۔ کسقدر عظیم الشان شہر تھا اور اُس کی
نظامت۔ خود غور کیجئے کہ۔ کیسی خاص مرتبہ اور قابلیت انتظامی کی
چیز ہو گی ؟ جو کچھ بھی ہو۔ نظامتِ دار الخلافہ، اور جگہ کی صوبہ داری
یا تھانہ داری سے بدرجہا ممتاز تھی اور معمولی عزت نہ تھی!

شیخ فرید[۲۸] کا تقرر تو ذی الحجہ سنہ ۱۰۵۴ھ میں بطور ناظم دار الخلافہ ہو چکا تھا لیکن کسی مہم میں مصروف ہونے کی وجہ سے وہ کئی مہینے تک اپنی جگہ پر نہ پہنچ سکے اور راجہ جسونت سنگھ محض ان کے پہنچنے تک حفاظت کا چارج سنبھالے رہے!

۱۶۔ صفر سنہ ۱۰۵۵ھ (۲/۱۶ ۴۶ ۶) کو شاہجہاں نے جبکہ وہ بھنبھر میں خیمہ زن تھا شیخ فرید[۲۹] کو "منصب سہ ہزاری ذات و ہزار و پانصد سوار" کی ترقی سے سرفراز فرما کر ناظم دار الخلافہ کے معزز عہدہ کا چارج لینے کے لئے رخصت کیا! شیخ فرید جسونت سنگھ کو سبکدوش کرنے کے بعد کم و بیش ایک سال ناظم دار الخلافہ اکبرآباد رہے۔ اس قلیل مدت میں کوئی غیر معمولی واقعہ یا فساد دار الخلافہ میں پیش آنا نہیں پایا جاتا۔ مہم آئندہ کی وجہ سے غالباً اس نظامت کی مدت اس قدر تھوڑی رہ گئی!

بدخشاں و فتوحاتِ بلخ

سنہ ۱۹ جلوس شاہجہانی۔
یعنی آخر ذی الحجہ سنہ ۱۰۵۵ھ۔

نمبر ۲۸۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۰۷!

نمبر ۲۹۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۱۸!

ہیں شاہجہاں نے بلخ و بدخشاں کی طرف توجہ کی! اس مہم میں
نذر محمد خاں جیسے شخص سے مقابلہ تھا اور دارائے ایران سے
بھی چل جانے کا احتمال تھا۔ اس لئے شاہجہاں نے غیر معمولی
انتظام کے ساتھ بہت بڑی طاقت شاہزادہ مراد بخش کے ساتھ
روانہ کی! اس کل لشکر جرّار پر امیر الامراء علی مردان خاں افسر اعلے
کے طور پر تھا اور چیدہ چیدہ امراء و منصب داروں کے
علاوہ سات بڑے سردار ایسے تھے جن میں سے ہر ایک کے
ساتھ بجائے خود سات سات امیر نامی مقرر ہوئے تھے۔ گویا
ہر سردار سات امرائے نامی کا بجائے خود افسر تھا! شیخ فرید
اور اُن کے بھتیجے۔ کشور خاں کے لڑکے شیخ الہ دیا بھی جو پہلے
سے منصب داران شاہی کی فہرست میں آچکے تھے متعین ہوئے!
شیخ فرید کے اُس زمانہ کے پوزیشن کی نسبت اسقدر کہدینا کافی
ہوگا کہ یہ اُن سات سرداروں میں سے تھے جن میں سے ہر ایک
کی ماتحتی میں سات سات امرائے نامی متعین ہوئے تھے!
تمام منصب داران و امرائے متعینہ کی تعداد ۷۰ ہم تھی اور مذکورہ

نمبر ۳ منتخب اللباب خافی خاں جلد اول صفحہ ۶۱۹ ٭ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸۸!

بالا، سرداراس کے علاوہ تھے! راجپوت فوج پر راجپوت افسر اور مسلمان فوج پر مسلمان سردار میمین ویسار پر علاحدہ علاحدہ مقرر کئے گئے تھے! سات لاکھ روپیہ اور دو ہزار گھوڑے راستہ کا خرچ اور نقصانات پورا کرنے کے لئے بطور حصۂ محفوظ کے ساتھ تھے!

کتل طول کے قریب بعض بعض جگہ کمر تک اونچی برف موجود تھی! تیس ہزار بیلدار و تبردار و سنگ تراش اس برف کو توڑنے پر مقرر ہوے! تمام افواج اور کارخانہ جات کے نکلتے نکلتے ایک ہفتہ گذر چکا تھا! خسرو خاں۔ نذر محمد خاں کا دوسرا لڑکا۔جو بدخشاں اور قندزمین تھا اوزبک پٹھانوں کی تاخت و تاراج سے تنگ آکر خود شاہزادہ کی خدمت میں بغرض اطاعت حاضر ہو گیا! ہراول شاہی بہت آگے بڑھ گیا تھا اور قلعۂ کھمرد پر یورش کر رہا تھا! قبادان جگہ کا قلعہ دار پورے مقابلہ و کوشش کے بعد پانسو اوزبک کے ساتھ مطیع ہو کر طالبِ امان ہوا! اوزبکیہ گروہ جو خسرو خاں کے چلے جانے کے وقت سے قندزمیں لوٹ مار اور بدامنی پھیلا رہے تھے افواج شاہی کی خبر سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور قندز اس طرح بہ آسانی فتح ہو کر مہم بدخشاں تکمیل کو پہنچ گئی!

نذر محمد خاں بلخ میں تھا اور اُس کی نیت فاسد کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ بدخشاں کے بعد شاہزادہ نے بلخ کا رخ کیا اور فی الحقیقت یہ ہی مہم سخت اور مشکل تھی۔ افواج شاہی سرعت سے شاہ مرداں تک پہنچ گئی۔ یہاں بہرام خاں اور سبحان قلی خاں۔ نذر محمد خاں کے لڑکے۔ استقبال کے لئے حاضر تھے! شاہزادہ نے شہر کے باہر خیمہ زن ہو کر نذر محمد خاں کو اپنے پاس طلب کیا اور سرداروں کو قلعہ کے اموال و مداخل و مخارج کے ضبط کا حکم دیا! نذر محمد خاں اس عجلت سے حواس باختہ ہو چلا! شاہزادہ مراد کی دعوت کرنے کے بہانہ سے قلعہ سے نکل کر باغ مراد میں آیا اور لعل و جواہر کمر سے باندھ، زرہ بکتر پہن، موقعہ پاتے ہی چند رفیقوں کے ساتھ صاف نکل گیا! ۱۰۵۶ھ - ۱۶۴۶ء۔ غرۂ جمادی الآخر۔ وہ تاریخ تھی جب بلخ میں شہنشاہِ ہندوستان شاہ جہاں کے نام کا خطبہ پڑھ دیا۔[۳۱]

نمبر ۳۱۔ شاہ جہاں نے ایک نامۂ نصیحت آمیز نذر محمد خاں کو سخت بیگ بخشی کابل کے ہمدست روانہ کیا تھا۔ نذر محمد خاں نے اس کے جواب میں بہت کچھ اظہار اطاعت کیا مگر اسحق بیگ نے اُس کی اصلی نیت اور دلی ارادہ سے بادشاہ کو مطلع کر دیا۔ اس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ نذر محمد خاں کی اطاعت کی جھول بظاہر بہت خوشنما ہے مگر بباطن کچھ بھی نہیں!

گیا: بلخ کا الحاق تو ہو گیا لیکن لڑائی کا اختتام نہ ہوا۔ بہادر خاں، اصالت خاں، اور شیخ فرید نذر محمد خاں کے تعاقب پر مقرر ہوئے! ان سرداروں نے سخت مصائب کو برداشت کر کے، نذر محمد خاں کو جا لیا۔ مقابلہ ہوا اور نذر محمد خاں اندجان کی طرف اور سبحان قلی خاں بخارا کی طرف، بھاگے۔ سردار شکست دینے کے بعد شہتر خاں۔ یا۔ شیر خاں میں مقیم ہوئے اور شاہزادہ کو اطلاع دی۔ شاہزادہ پہلے ہی سے بددل تھا اور شاہ جہاں سے درخواست کر چکا تھا کہ اس کو واپسی کی اجازت دی جائے: شاہ جہاں نے اُس کو روکنا چاہا اور انتظامِ امن کی ترغیب دلائی مگر مراد بلا حصول اجازت چل پڑا: یہ خبر سُنی کہ شاہجہاں نے علامی سعد اللہ خاں کو مراد کے سمجھانے کو بھیجا۔ لیکن مراد نہ مانا اور نہ مانا۔ سعد اللہ خاں کے ذریعہ سے افواج کو بلخ و مفتوحہ علاقہ میں قیام کئے رہنے کا حکم ملا اور مراد عتاب شاہجہانی کے بدولت منصب و جاگیر کر دیا گیا!

مراد کے واپس چلے آنے سے عالمگیر کے مقرر ہو کر پہنچنے تک، کُل علاقۂ بلخ و بدخشاں پر وہی سردارانِ عالی۔ جن میں سے ہر ایک کے ساتھ سات امیر نامی تھے۔ قابض

رہے! شیخ[۳۲] فرید اور بہادر خاں خاص بلخ کے نگراں اور قابض تھے! دو سال متواتر سرداران متعینہ آئے دن اوزبکوں اور المانوں کے جرگوں سے لڑتے رہے! اوزبک و المان ایسے جنگجو قبیلے تھے کہ خاموش ہو جانا ان کے مذہب میں گناہِ عظیم تھا! متعدد مقابلے ہوئے سخت خونریزیاں ہوئیں شب خون مارے گئے۔ سب کچھ ہوا اور برابر دو سال تمام سرداران مصائب کا نہایت پامردی و بہادری کے ساتھ اپنی اپنی جگہ مقابلہ کرتے رہے! اسی اثناء میں ایسا بھی ہوا کہ بعض وقت شیخ

نمبر ۳۲۔ علامی سعد اللہ خاں کے پہنچنے کے وقت سے کل علاقہ سرداروں نے نگرانی و حفاظت کے لئے آپس میں تقسیم کر لیا تھا۔ چنانچہ قلیچ خاں طالقان میں۔ رستم خاں اندخود میں۔ سعادت خاں ترمذ میں۔ شاد خاں میمنہ میں۔ راجہ راج روپ قندز میں۔ خنجر خاں اشباق میں۔ شیخ فرید محتشم خاں اور بہادر خاں خاص بلخ میں۔ حفاظت و قیام امن کے ذمہ دار تھے! عالمگیر مہم کابل پر مقرر ہو کر آیا تو تمام امراء کو حکم شاہجہانی ملا کہ شاہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوں اور مہم کابل میں ساتھ جائیں! (خافی خاں جلد اول صفحہ ۶۱۹ - ۶۸۰ اور بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۸۰ - ۶۰۰)

فرید۔ جن کو اب محتشم خاں کا خطاب مل چکا تھا۔ تنہا بلخ کے نگراں و محافظ رہے ہے: ایک مرتبہ عبدالعزیز کے اشارے پر خنجر المان و جنت المان و فولاد سرائے نے ۱۵ ہزار کی جمعیت سے شمشیر خاں تھانہ دار خان آباد کو آگھیرا تو بہادر خاں کو اُس طرف امداد کے لئے جانا پڑا اور شیخ فرید محتشم خاں بلخ میں رہ گئے! شہر بلخ کی محافظت اصالت خاں کے تعلق تھی، اُن کا بھی یکایک انتقال ہوگیا اور ۲۲۔ ربیع الاول ۱۰۵۷ھ ۱۶۴۸ء سے محتشم خاں کو حصِ شہر کی محافظت پر مقرر کر دیا گیا! مختصر یہ کہ شیخ فرید محتشم خاں ۱۰۵۸ھ ۱۶۴۹ء۔ یعنی جلوس شاہجہانی کے بائیسویں سال۔ تک بلخ میں المانون اوزبکیوں سے لڑتے اور شہر کی حفاظت میں مشغول رہے: مہم بلخ نہایت عظیم الشان مہم تھی۔ کتب تاریخ اس کے واقعات مفصل سے لبریز ہیں: اسی مہم کی وجہ سے شاہزادہ مراد معتوب ہوا، اسی مہم کے سبب سے آخر میں عالمگیر کی طرف سے بھی شاہجہاں کی طبیعت مکدر ہوئی۔ اور اسی مہم کی بدولت

نمبر ۳۳۔ بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۶۵۷ و ۶۸۴ ۔

شیخ فرید محتشم خاں بھی عتاب شاہی سے نہ بچ سکے!

عتاب شاہی

شیخ فرید محتشم خاں مہم بلخ و بدخشاں پر ۱۰۵۵ھ کے آخر میں روانہ ہوئے تھے اور ۱۰۵۸ھ تک مصروف پیکار و مشغول انتظام امن رہے ہے ۱۰۵۸ھ میں عتاب شاہی نازل ہوا اور واپس بلا لیے گئے عتاب شاہی کی وجوہات مختلف حضرات نے مختلف بیان کی ہیں! میں اس جگہ اُن تمام تحریروں اور اقتباسات کو محض درج کیے دیتا ہوں جن کو اس زمانہ سے تعلق ہے یا جن میں اس کی وجوہات بیان کی گئی ہیں، اس اختلاف پر اپنی رائے اور استدلال کو آئندہ آنے والے ایک باب کے لیے محفوظ رکھتا ہوں! صمصام الدولہ۔ صاحبِ ماثر الامرائے تیموری۔ رقمطراز ہیں :-

"در سال بست و دوم چوں بعرض رسید کہ اُو (شیخ فرید) بنا بر فرد نیِ ازتکابِ مغیّرات از رفتن با راجہ بیتھل داس کہ بہ کابل تعیّن شدہ بود

نمبر۱۳۳۔ ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰

تعلّل بکار بردہ از منصب و جاگیر برطرف
گشتہ داخلِ لشکر دعاگر دید۔"

صمصام الدولہ تو اس کی وجہ "افزونیٔ ارتکابِ منہیات" بیان کرتے ہیں، اب خافی خاں نظام الملکی کو دیکھئے کیا کہتا ہے:۔

"شیخ فرید پسرِ قطب الدین کہ بعد از مامور شدن[۳۵]
بہ کومکِ کابل از حکم انحراف ورزیدہ بود
بے منصب و بے جاگیر نمودہ روزینہ عطا
فرمودند"

ملّا عبد الحمید اپنی تالیف "بادشاہ نامہ" میں کہیں اس عتاب کا یا کسی ارتکاب کی افزونی کا ذکر نہیں کرتے! کتب تواریخ مطبوعہ کے بعد قلمی تواریخ کو دیکھا جائے تو وہاں بھی کچھ مطلب حل نہیں ہوتا، البتہ ایک فرمان۔ جو خاص طور پہ اس عتاب سے تعلق رکھتا ہے قابل لحاظ ہے۔ اس کی

نمبر ۳۵۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد اوّل صفحہ ۵۸۳۔

عبارت بجنسہ ملاحظہ ہو :-

"شہامت شعار۔ بسالت آثار۔ لایق العنایۃ والاحسان۔ قابل المرحمۃ والامتنان مجتشم خان بہ عنایاتِ سلطانی مسرور و مبتہج گشتہ بداند کہ چوں از تعدّی و بدسلوکیِ آں قابل العنایۃ در درگاہِ آسمان جاہ ہر روز مذکورہ بمیان می آید و جاگیر دارانہ بودنِ آں قابل المرحمۃ درآنجا اصلا اصلا نیست۔ و دریں باب مکرر نصیحت و ارشاد بہ آں نجابت پناہ فرمودیم۔ کہ نوع سلوک و وضعِ ہموارہ پیش گیرد کہ احدے ازو آزردہ نشود۔ اثرے براں مرتب نہ شد۔ الحال مے باید کہ نظر بر مصلحت وقت داشتہ

نمبر ۳۶ - یہ فرمان بھی بڑی کوشش و جستجو کے بعد دستیاب ہو سکا : اکثر فرامین جن کو خاص طور سے اس کتاب سے تعلق ہے بعض حضرات کے قبضہ میں ہونے کی وجہ سے نقل تو درکنار دیکھنے کو بھی نہ مل سکے! مسلمانوں کے اکثر علوم و فنون۔ ہندوستان میں آکر۔ اسی عادتِ راز داری اور ناجائز خسّت کے بدولت معدوم ہو گئے! خدا کا فضل ہے کہ یہ فرمان اصلی اب ایسے صاحب کے پاس آگیا ہے جو اس خسّت سے مبرّا ہیں: سیّد محمد صاحب رئیس شیخپور اس فرمان پر قابض ہیں!

ترک بودنِ آنجا نمودہ بدرگاہ والا بیاید، یا بہ
فتحپور رفتہ بہ نشیند والّا عنقریب حکم اشرفِ
اعلےٰ صادر خواہد شد کہ سید فرید اُورا از آنجا
برآوردہ بہ فتح پور برساند* تحریراً فی التاریخ
بست و ہفتم شہر رجب المرجب سنہ بست و
دوم جلوس میمنت مانوس موافق ۱۰۵۹ھ

اس فرمان پُرمہر دارا شکوہ ابن شاہجہاں کی ہے اور پشت
پر " رسالہ کمترین بندہا بہاری مل" تحریر ہے! اس فرمان
کی عبارت عتاب کی وجہ بدسلوکی و تعدّی بتاتی ہے۔ مگر ساتھ
ہی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ کے متعلق
فرمانِ بالا اپنی نوعیت کی پہلی چیز نہ تھا بلکہ اس سے پیشتر اسی
کے متعلق اور فرامین مشتمل بہ پند نصائح جاری ہو چکے تھے!
یہ فرمان تو رجب ۱۰۵۹ھ کا ہے اور ایک فرمان شیخ عبدالکریم
کے نام اسی عتاب کے متعلق ذی الحجہ ۱۰۵۹ھ کا بھی مل سکا
ہے جس[۳۷] کی نقل بھی ملاحظہ طلب ہے:-

مشیخت و وزارت پناہ لایق العنایۃ والاحسان

---

[۳۷] نمبر ۳۷- یہ فرمان خان بہادر حکیم محمد رضی الدین خاں صاحب مرحوم (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

مخلص خاص شیخ عبد الکریم بعنایت سلطانی معزز
و سربلند گشته بداند کہ چوں حکم جہاں مطاع
واجب الاتباع درباب نقد وجنس نتیجہ الامرا
محتشم خاں کہ در بدایوں بودہ شرف نفاذ
یافتہ بود کہ نقد را در سرکار خاصہ شریفہ ضبط
نمایند و جنس را انجا مذکور بدہند، و از عرضداشت
خان مشار الیہ چناں بعرض رسید کہ آں جنس
ہنوز باو نرسیدہ : بنا بر آں حکم عالی صادر
می گردد کہ آں مشیخت پناہ یک کس معتمد را
نزد ملکرندا س کروری بریلی بفرستند، تا
آنچہ از جنس خان موی الیہ در آنجا باشد
تحقیق و تشخیص نمودہ بتمام حوالہ کسان خان
معز الیہ نماید و نیز گماشتہ ہائے جاگیر اورا کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۲۵) شفاء الملک۔ رئیس دہلی کے پاس ہیں۔ جس قدر دلچسپی انھوں نے میری درخواست طلب فرمان ہذا پر ظاہر کی اُس کا معاوضہ قلم سے۔ نہ زبان سے۔ کسی طرح نہیں کر سکتا! کئی گھنٹے متواتر انھوں نے اُن تمام فرامین کی نقول کے نذر کئے جو اُن کے قبضہ میں ہیں!

مکرندداس کروری پیش خود نگاه داشتہ
است باید کہ در بابِ آنہا ہم بموی الیہ تاکید
نماید کہ بہ کسانِ او بے پاروتا معاملہ حالے
خود را از آنہا فہمیدہ بگیرد۔ دریں باب قدغن
دانستہ تخلف نورزد + تحریراً فی التاریخ
بست و دوم شہر ذی الحجہ سنہ بیست و سیم
جلوس میمنت مانوس موافق سنہ ۱۰۵۹ھ!

اس فرمان پر بھی داراشکوہ کی مُہر ہے! گویا یہ دونوں فرمان نہیں بلکہ "نشان" ہیں۔ نشان وہ فرمان کہا جاتا تھا جو شاہِ وقت کی مُہر کی بجائے ولیعہد کی مُہر سے جاری ہوتا تھا! اس دوسرے فرمان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ معتوب ہو جانے کے بعد نہ صرف جاگیر و منصب ضبط ہوا بلکہ محتشم خاں کا تمام نقد روپیہ بھی ضبط ہو کر خزانۂ شاہی میں داخل کر لیا گیا! عتاب سنہ ۱۰۶۷ھ تک باقی رہا، اور اس زمانہ میں شیخ فرید غالباً شیخوپور میں رہے! سنہ ۱۰۶۷ھ میں عتاب[۳۸] فرو ہونے پر دوبارہ منصب

نمبر ۳۸۔ مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

"سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار" مقرر ہوا۔

شورشِ شجاع

شیخ فرید کی دوبارہ طلبی۔ اور بلا درخواست و کوشش معافی کی وجہ زیادہ تر یہ بھی نظر آتی ہے کہ جلوس شاہجہانی

کے اکتیسویں[۳۱] سال شاہجہاں عارضہ حبسِ بول میں مبتلا ہوا اور حالت خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ خود مختار سلطنت میں یہ ہی وقت خاندانِ شاہی یا ورثائے شاہِ وقت کے لئے غضب کا ہوتا ہے۔ شجاع اور مراد نے اپنے نام خطبہ پڑھوا کر شورش میں پیش قدمی کی اور جمعیتِ عظیم کو لئے ہوئے بہار اور پٹنہ کا رُخ کیا! دارا شکوہ کو ان کے مقابلہ کے لئے پورا لشکر فراہم کرنا پڑا۔ اس وقت جو سردار جہاں اور جس حالت میں بھی تھے۔ بلا کسی خیال کے بُلا لئے گئے اور ہر طرح تعداد و طاقت بڑھانے کی انتہائی کوشش مدِ نظر رکھی گئی! گمان غالب ہے کہ شیخ فرید بھی اسی وجہ سے ۱۰۶۷ھ یعنی سنہ ۳۱ جلوس شاہجہانی میں منصب و اعزاز رفتہ پر واپس طلب کئے گئے[۳۹] اور راجہ

نمبر ۳۹۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد دوم صفحہ ۶!

جے سنگھ کے ساتھ شجاع کے مقابلہ پر سلیمان شکوہ کے لشکر میں مقرر ہوئے! فریقین کی مڈبھیڑ بنارس پہ ہوئی: شجاع تمام کشتیوں اور گھاٹ پر قابض ہو چکا تھا اور لشکر شاہی کے ہراول سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر خیمہ زن تھا! شیخ فرید اور راجہ جے سنگھ نے راتوں رات، نہایت خاموشی کے ساتھ روانہ ہوکر طلوع آفتاب سے قبل، شجاع کو محوِ خوابِ خرگوش اور آلودۂ خمارِ دوشینہ جا لیا! جب تک شجاع تیار ہوکر میدان جنگ میں آئے کہ میدان ہاتھ سے جا چکا تھا! سپاہ شجاع سراسیمہ اور بھاگنے میں مصروف تھی! معاملہ دگرگوں ہو چکا تھا لہذا شجاع بھی بمشکل تمام ایک کشتی پر سوار ہوکر دریا دریا بھاگا: لشکر شاہی نے تعاقب کرتے ہوئے پٹنہ تک تسلط کر لیا!

شیخ فرید کو واپسی پر ان کی جانبازی کے معاوضہ

میں "اخلاص خاں" کا خطاب اور پٹنہ کی صوبہ داری تفویض ہوئی!

نمبر ۴۰۔ ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

(۳)
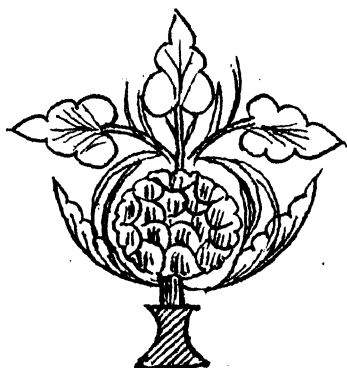
دورِ عالمگیری کے معارک

شیخ فرید کے سامنے سلطنتِ ہندوستان تین مرتبہ مختلف ہاتھوں میں گئی! اکبرِ عرش آشیانی کی وفات کے وقت یہ نادانی کے گہوارہ میں جھولتے تھے: جہانگیر کے انتقال پر ۲۹ ویں سال میں شباب کے زیرِ سایہ محوِ اظہارِ شجاعت ولیاقت تھے: اور عالمگیری دور کے آغاز پر اپنی عمر کے ۶۰ سال تجربہ وترقی مراتب کے نذر کر چکنے کے بعد معزز و تجربہ کار امرا میں سمجھے جانے لگے تھے! تختِ ہندوستان جہانگیر کی آخریں سانس آنے کے لمحہ میں جسقدر خطرے میں تھا اُسی قدر شاہجہان کے عارضہ جبس بول کی انتشار پیدا کرنے والی خبر کے وقت

بھی تھا! دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے زیادہ پیارا
بیٹا تھا لیکن بقیہ تین شاہزادوں کا اسی پیارے ہونے کی
وجہ سے مرجع حسد تھا! اس انتشار آمیز خبر کے ساتھ ہی
دارا شکوہ جو کچھ عرصہ سے عملی طور پر۔شاہجہاں کی آڑ میں۔
عنانِ سلطنت لئے ہوئے تھا اب کھلم کھلا ہر طرح قابض تاج و تخت
بن چلا! شاہجہاں کو وہ شاہ جہاں آباد سے اکبر آباد لے آیا
اور اس کے ساتھ ہی فی الحقیقت دورِ شاہجہانی اُسی جگہ چلا گیا
جہاں اکبر تھا! اگرچہ شاہجہاں تھوڑے ہی عرصہ میں پھر دارالحکومت
شاہجہان آباد کو واپس آیا لیکن اقبال کے عبوض اس مرتبہ نحوست
اُس کی عنان گیر تھی! شجاع پر اس خبرِ عارضۂ مہلک نے
بہت جلد اور تیز اثر کیا اور وہ دارا شکوہ کی طرف چلے!
دارا شکوہ نے ان ہی کے دفعیہ کے لئے شیخ فرید وجے سنگھ
کی سرداری میں وہ فوج روانہ کی تھی جس نے بنارس پر شجاع
کو مار بھگایا! سلیمان شکوہ پٹنہ میں تھا، شجاع و مراد بنگالہ سے
باہر باہر سرگرمِ منصوبات تھے، اور نگ زیب دکن

میں تھا اور معظم خاں سا بے نظیر جرنیل اس کے پاس پہنچ چکا تھا!

اورنگ زیب ہندوستان کے تخت و تاج کا مالک بننے کا عرصہ سے ارادہ کر چکا تھا: اس وقت اس نے شجاع و مراد کی عجلت آمیز ناتجربہ کاری کے ساتھ ہی دارا شکوہ کی طاقت کا بھی بہت کچھ اندازہ کر لیا! مہم دکن کو بالائے طاق رکھکر اُس نے اپنی قوت تسخیر کے زور سے مراد کو اپنے ساتھ لیا اور شاہجہاں کی قدمبوسی کے بہانہ سے آگرہ کی طرف چلا! راستہ میں قاسم خاں اور جے سنگھ والی جمعیت کو پراگندہ کرتا ہوا اکبر آباد سے قریب تر ہوتا گیا: دارا شکوہ بھی بڑھا اور ایک ماں جائے دو بھائی سموگڑھ کے میدان پر دست و گریباں ہو گئے! معرکہ بلا کا معرکہ تھا۔ دونوں طرف سے تخت و تاج کے لئے "جاں" بازی تھی! سموگڑھ کا معرکہ ختم ہوا تو دارا شکوہ پنجاب کی طرف آوارہ دشت غربت تھا، شاہجہاں نظر بند تھا، مراد قید سخت میں تھا، اور

اورنگ زیب عالمگیر بنگر دارا شکوہ کے ملک الموت کے قالب میں دہلی ہوتا ہوا لاہور اور ملتان کی جانب سرگرم تعاقب تھا!

شیخ فرید مہم بنارس پر سلیمان شکوہ کے ساتھ تھے اور وہاں سے ہی اخلاص خاں کے خطاب کے ساتھ پٹنہ کی صوبہ داری کی خدمات انجام دینے روانہ ہو گئے تھے۔ مختصر یہ کہ جس وقت عالمگیر دکن سے چلا تھا تو وہ پٹنہ کے صوبہ دار تھے اور اُن کی پوری جمعیت اُن کے ساتھ تھی! معلوم ایسا ہوتا ہے کہ قاسم خاں اور جے سنگھ کا حال ان کے لئے عبرت انگیز ہوا کہ وہ نہایت دور اندیشی اور عقل سلیم کی امداد کے ساتھ پٹنہ کی صوبہ داری پر لات مار کر عالمگیر کے پاس آ حاضر ہوئے اور معرکہ سموگڑھ میں ۱۰۶۸ھ کے رمضان میں عالمگیر کی جانب سے سرگرم پیکار رہے! ان کی اس شرکت کی نسبت کتب تواریخ میں علیحدہ طور پر تذکرہ نہ سہی مگر

اُن کے لڑکے شیخ نظام کے تقررِ منصب کا ذکر تو
موجود ہے جو اسی مہم کی وجہ سے دربارِ عالمگیری سے
اوّل اوّل "یک ہزار ذات" اور "چہار صد سوار" کے
منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! یہ ممکن نہیں معلوم
ہوتا کہ شیخ نظام - جو ہمیشہ اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ
شریک مہمّات رہے - تنہا عالمگیری سپاہ میں شریک
ہوتے اور شیخ فرید اخلاص خاں بنے آرام سے پٹنہ میں
براجتے ہوتے!

محاصرۂ آلہ باد

سموگڑھ کے معرکے کے بعد سب سے پہلے

دورِ عالمگیری میں شیخ فرید ۱۰۶۸ھ میں محاصرہ

نمبر ا - ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

الہ باد پر خان[۲] دوراں کی کمک پر دربار عالمگیری سے مقرر ہو کر روانہ ہوئے! اخلاص خاں کا خطاب ان کو دربار شاہجہانی سے کچھ عرصہ ہوا کہ مل چکا تھا مگر دور عالمگیری میں یہ ہی خطاب احمد خویشگی کو عنایت ہو گیا۔ اسی وجہ سے ان کو اخلاص خاں سے بڑا خطاب عطا کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور عالمگیر نے محاصرۂ الہ باد کے تقرر کے وقت "احتشام خاں" کے معزز و ممتاز خطاب سے سرفراز فرمایا! دور عالمگیری کی تمام کتب تواریخ اس

نمبر۲۔ سید قاسم سادات بارہہ کے ممتاز اشخاص میں سے تھا اور دارا شکوہ نے اس کو قلعہ دار الہ باد مقرر کر دیا تھا: عالمگیر نے خان دوراں کو حارس الہ باد مقرر کر کے سید قاسم کے مقابلہ پر روانہ کر دیا۔ قاسم خاں سے عالمگیر کے ناراض ہونے کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس سے پیشتر راجہ جے سنگھ کے ساتھ عالمگیر کے خلاف صف آرا ہو چکا تھا: قاسم خاں نے قلعہ آخر کار حوالہ بھی کیا تو شجاع کے حوالہ کیا اور دارا شکوہ کے اشارہ سے حوالہ کیا۔ دارا شکوہ خود تو پنجاب میں آوارۂ دشتِ غربت تھا لیکن اب شجاع سے ملکہ عالمگیر کی بیخ کنی کے لیئے کاغذی گھوڑے دوڑاتا تھا۔ اسی کی تحریر پر رام داس قلعہ دارِ بنارس، عبدالجلیل بارہہ قلعہ دار چیتاپور، قاسم خاں بارہہ قلعہ دارِ الہ باد، نے اپنے اپنے قلعے شجاع کے حوالے کر دیئے (ماخوذ از منتخب اللباب جلد۲) شیخ فرید بھی اسی محاصرہ میں خان دوراں کی کمک پر اول متعین ہوئے تھے (ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۱۹۱) (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

زمانہ کے بعد سے ان کو محض احتشام خاں کے نام سے پکاری!
محاصرۂ الہ آباد میں احتشام خاں، خان دوراں کے ساتھ برابر سرگرم پیکار رہے اور قاسم خاں محصور ہو کر مقابلہ پہ تلا رہا۔ کئی مہینے تک یہ محاصرہ برابر جاری رہا اور شجاع کے بنارس پہنچنے پر اس کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ قاسم خاں نے قلعہ شجاع کے حوالہ کر دیا اور عالمگیر نے محاصرین کو واپس بلا کر شجاع کے مقابلہ کے لئے ذوالفقار خاں اور شاہزادہ محمد سلطان کی جمعیت کے ساتھ مقرر کیا! اسی موقعہ پر احتشام خاں کے عہدہ سابقہ میں ترقی دی گئی اور منصب ؎ "چہار ہزار ذات و سہ ہزار سوار" مقرر ہوا۔

معرکۂ شجاع شجاع نے بنارس سے رقم کثیر تعدادی کے ساتھ حاصل کر لی تھی اور پوری طاقت لئے ہوئے عالمگیر کی بیخ کنی پر آمادہ تھا: عالمگیر خود بہ نفس نفیس نوے ہزار کی جمعیت لیکر محمد سلطان کے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۳۶) نمبر۳۔ ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰ !
نمبر۴۔ عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۲۱۵ !

لشکر سے آملا: جانبین اُس زمانہ کے فنِ حرب سے واقف تھے، ترتیب عساکر نہایت اصول اور لیاقت کے ساتھ عمل میں آئی! عالمگیر نے جب ترتیب عساکر پر توجہ کی تو سلطان محمد کی کل جمعیت کو ہراول میں قایم کیا، اور اسی ترتیب کی رو سے اختشام خاں طرحِ فوج یا ہراول میں متعین ہوئے! ۱۷- ربیع الثانی ۱۰۶۹ھ اس معرکہ عظیم کے آغاز کا پہلا دن تھا جو تمام ترگولہ باری و بان اندازی میں صرف ہوا: رات ہوئی جب بھی تمام امرا گھوڑوں پر سوار حکم شاہی کے منتظر رہے: معظم خاں رات بھر توپ خانہ کو ہٹا کر نئی جگہ قایم کرنے میں کوشاں رہا: تین گھڑی رات باقی تھی کہ راجہ جسونت

نمبر ۵- عالمگیر کی ترتیب مختصراً یہ تھی:- شاہزادہ محمد سلطان معہ دیگر امرا ہراول میں: ذوالفقار خاں مقدمۃ الجیش میں: شاہزادہ محمد معظم معہ دیگر امرا جرنغار میں: راجہ جسونت برنغار میں: اختشام خاں اور اسلام خاں طرحِ فوج میں: میر جملہ معظم خاں عالمگیر کے قریب قلب میں: چند امرا شاہزادوں کے راست و چپ بطور محافظ: اور بقیہ سردار عقبِ توپ خانہ! (ملاحظہ ہو عالمگیر نامہ صفحہ ۲۴۶- نیز منتخب اللباب جلد دوم صفحہ ۴۸-)

جو غدّاری کے طور پر ساتھ تھا منافق راجپوت سرداروں کو لئے ہوئے۔ شجاع کے ایماء سے۔ شب خون مارتا اور لوٹ مار کرتا نکل پڑا؛ ایک عجیب شور و غل تمام فوج میں یکایک برپا ہو گیا، منافق راجپوت شاہزادہ محمد سلطان کے خیمہ و مال و اسباب کو لوٹتے، ہر مقابلہ کرنے والے کو کاٹتے چھانٹتے عالمگیری سپاہ سے جدا ہو کر شاہ شجاع سے جا ملے: بہت بڑی جمعیت تو شجاع کے ساتھ رہ گئی اور تھوڑے راجپوت جسونت کے ساتھ آگرہ کی طرف بھاگ گئے! عالمگیر اس اچانک آفت سے پریشان تو ضرور ہوا مگر اُس کے استقلال و ہمّت نے مطلق بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا؛ اکثر بزدل یا مذبذب طبیعت والے امرا بھی چھوڑ کر رات کی سیاہی میں علیحدہ ہو گئے! احتشام خاں اُن متعدد جانباز سرداروں میں سے تھے جو عالمگیر کے پہلو میں سے نکل جانے پر مر جانے کو ترجیح دیتے تھے! عالمگیر نے بقیہ افواج کی ترتیب دی تو میر جملہ معظم خاں کو سر عسکر بنایا، اسلام خاں کو جسونت کی جگہ مقرر کیا اور احتشام خاں کو ان کی پہلی ہی جگہ پر ہراول میں رکھا! جنگ پھر دوبارہ

شروع ہوئی، پھر بان اندازی و گولہ باری چھڑی، شجاع کی سپاہ جسونت کی غدّاری سے دلیر ہوگئی تھی۔ سید عالم بارہہ نے تین مست ہاتھیوں کو ریلتے ہوئے سپاہِ عالمگیری کے جرنغار پر حملہ کیا! مست ہاتھیوں کا حملہ اُس زمانہ کے اسلحہ کے لحاظ سے نہایت سخت چیز تھی: اس آفت ناگہانی سے بہت کچھ فتور واقع ہوا: عالمگیر نے خود نہایت دلیری کے ساتھ اس آفت کو دفع کرنے کے لئے اپنا ہاتھی آگے بڑھایا: ابھی جرنغار کی سپاہ سے یہ آفت پوری طرح رفع نہیں ہوئی تھی کہ بلند اختر پسر شجاع نے پوری طاقت کے ساتھ برنغار پر حملہ کر دیا اور اب نہایت نازک وقت آ گیا! اسلام خاں سردار برنغار صدمۂ بان سے زخمی ہو کر گرے اور تمام برنغار میں لغزش آ چلی! اس نازک وقت میں ہراول کا پائے ثبات قطعی نہیں ڈگمگایا اور یہ ہی وہ حصہ تھا جس نے ایسے انتشار میں سینہ سپر رہ کر تمام معرکہ کو سنبھال لیا۔ اسی حصّہ کے سردار احتشام خاں تھے اور آخر تک سرفروشی میں نہایت دلیر رہے! عالمگیر برابر برنغار کے انتشار کو اپنے احکامات سے رفع کر رہا تھا اور ہراول کی داد دے رہا تھا: معظم خاں نے

گولہ باری میں ایسا انہماک اور کوشش ظاہر کی کہ پیا پے سچّے نشانوں نے شجاع کی سپاہ کو بہت کچھ سراسیمہ کر دیا! عالمگیر موقعہ پاتے ہی برنغار کی طرف آیا اور تمام برنغار نے بڑھکر حملۂ مدافعانہ کر دیا۔ بلند اختر پے پا ہو کر شجاع کے پاس پہنچا، عالمگیر فن حرب کا ماہر تھا، وقت کو جانچتے ہی حملہ پر تُل پڑا، تمام سپاہ۔ اور سب کے آگے ہراول۔ قلبِ شجاع پر ٹوٹ پڑا! جنگ مغلوبہ نے دشمنوں کو مغلوب کر دیا۔ مکرم خاں صفوی، عبد الرحمٰن خاں، اور سنجر بیگ شجاع سے الگ ہو کر عالمگیر کے سایہ میں آگئے۔ انتشار پھیل چکا تھا، دل نے بھی جواب دیا: قدم اکھڑے اور شجاع پسماندہ سپاہ کو لیکر بھاگا!

عالمگیر دارا شکوہ کی طرح شجاع کا بھی پوری طرح استیصال کرنا چاہتا تھا: مہلت دینی خلافِ اصول جنگ تھی، فوراً ہی اس نے کھجوہ کے قیام کے زمانہ میں ایک زبردست لشکر محمد سلطان کے ساتھ کیا اور میر جملہ معظم خاں کو سرعساکر بنا کر شجاع کے تعاقب پر روانہ کیا! اس مہمِ عظیم پر متعیّن ہونے والے سرداروں میں احتشام خاں بھی تھے جن کو ۲۷۔ ربیع الثانی کو۔ دیگر امرار

نمبر ۷۔ عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۲۶۹ !

کے ساتھ ، تلوار، اسپ، خنجر اور خلعت سے سرفراز فرما کر رخصت کیا!

تعاقب و مہم بنگالہ

شجاع الہ باد سے چلا تو گنگا کے کنارے کنارے چلا! لشکر عالمگیری شجاع کے پیچھے پیچھے محمد سلطان کے ساتھ سرگرم تعاقب تھا! الہ باد سے بہادر پور- بہادر پور سے پٹنہ اور پٹنہ سے مونگیر- کسی جگہ شجاع کو دم لیکر ساز و سامان کا انتظام کرنے کی مہلت نہ ملی! مونگیر اور اس کے بعد رنگاماٹی، دونوں مقامات ایسے تھے کہ ان کی مستحکم جائے وقوع کی بدولت

نمبر ۸- مونگیر کے ایک طرف گنگا بہتی تھی- دوسری طرف پہاڑ حفاظت کرتا تھا- اور ان دونوں کے درمیانی حصہ کو افغان بادشاہوں نے اپنے زمانہ میں ایک سنگین فصیل بنا کر ناقابل عبور بنا دیا تھا! رنگاماٹی نے بھی قریب قریب ایسی ہی جائے وقوع پائی تھی! مونگیر میں ایک راستہ کھرکھپور ہو کر آتا تھا جو ان دشواریوں سے پاک تھا اور رنگاماٹی کے لیئے موضع بیربھوم کے قریب والا راستہ اصلی چیز تھا! راجہ بہروز زمیندار کھرکھپور شجاع کا حامی بنکر محافظ راہ تھا لیکن لشکر شاہی کے پہنچتے ہی مطیع ہوگیا: علی ہذا خواجہ کمال افغان زمیندار چاٹ نگر بیربھوم پر متعین تھا شاہزادہ کے پہنچنے ہی وہ بھی شجاع کی رفاقت سے ہاتھ دھو بیٹھا: دونوں جگہ راستہ بلا مقابل مل گیا اور دونوں جگہ شجاع نے اپنی خوش اعتقادی سے (بقیہ نوٹ صفحہ آیندہ پر)

لشکر شاہی کو اچھی خاصی کوشش کرنی پڑتی : مگر اقبال عالمگیری نے راجہ بہروز زمیندار کھڑکپور اور خواجہ کمال افغان زمیندار جاٹ نگر کو بلا کسی مقابلہ کے حلقہ بگوش اطاعت بنادیا اور شجاع کو رنگامانی بھی چھوڑنی پڑی ! اکبر نگر پہنچ کر شجاع نے دریا کو عبور کیا اور دوگاچی - یا دوگاپچی - سے لیکر باقر پور تک استحکامات تیار کئے ، مورچے بنائے ، اور اچھی طرح مقابلہ کے لئے کیل کانٹے سے درست ہوگیا ! رجب ۱۰۶۹ھ میں لشکر شاہی بھی اکبر نگر سے دوگاچی جا پہنچا : دوگاچی اور باقر پور کے درمیان میں دریا کے اندر ایک ٹیلہ تھا جس کو شجاع نے مورچہ مرتفع بنا رکھا تھا ! ایک رات کو لشکر شاہی کی بڑی جمعیت خاموشی کے ساتھ اس ٹیلہ پر جا اتری - مقابلہ ایک شب و روز جاری رہا - پوری پامردی و شجاعت کے بعد یہ عمدہ موقعہ ہاتھ آگیا . اکبر نگر اور دوگاچی کے پاس دریا کا پاٹ بہت بڑا تھا : معظم خاں میر جملہ تھوڑی جمعیت لیکر خود تو اکبر نگر سے چودہ کوس کے فاصلہ پر جہانگیر نگر کے قریب مورچہ زن ہوا

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۲) دھوکا کھایا (عالمگیر نامہ - صفحہ ۴۹۲ - ۵۰۰)

اور بقیہ لشکر شاہزادہ محمد سلطان کے پاس اکبر نگر میں چھوڑ گیا! شیخ فرید احتشام خاں شاہزادہ کے ساتھ اکبر نگر میں رہے! جہانگیر نگر کے قریب فوج دوسری طرف اُتارنے کی کوشش دو مرتبہ کی گئی لیکن کامیابی ہنوز نصیب نہ ہوئی تھی کہ برسات آ گئی۔ دریائے گنگا نے دن دونی رات چوگنی ترقی کر کے تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا!

اب[9] برسات بھر کوئی فیصلہ کن کارروائی ناممکن تھی! میر جملہ جہانگیر نگر میں، شاہزادہ محمد سلطان اکبر نگر میں، اور شجاع دریا کے دوسری طرف ٹانڈہ میں برسات کی وجہ سے مجبور خیمہ زن تھے۔ دریائے گنگا فریقین کے درمیان میں لہریں مار رہا تھا! محمد سلطان ناتجربہ کار بھی تھا اور نوجوان بھی: شجاع کی لڑکی سے کسی زمانہ میں منسوب بھی ہو چکا تھا اور اب میر جملہ کی سرداری بھی اُسے شاق تھی! شجاع کو شاہزادہ کی طبع مکدّر کا بھی علم تھا اور اپنی صاحبزادی سے موانست ہونے کا بھی: وہ تھا ایک ہی گرگِ باراں دیدہ برسات کو غنیمت

نمبر ۹۔ منتخب اللباب خافی خاں جلد دوم صفحہ ۹۰ و ۱۰۰ !!

سمجھکر ریشہ دوانی سے نہ چوکا! شجاع کی صاحبزادی کا اچھر شاہزادہ
پر چلا۔ امیر قلی اور قاسم علی کے توڑ جوڑ اس حد تک کارگر ہوئے
کہ محمد سلطان ایک رات کو کشتی میں سوار ہو، چُپ چاپ، دوسری
طرف جا اُترا اور شجاع سے مل گیا! اس واقعہ نے شاہزادہ کی فوج
میں ہلچل ڈالدی۔ بعض بعض امراء شاہزادہ کے ساتھ دوسری
طرف اُتر گئے اور اکثر بددل ہوکر اپنے اپنے وطن واپس چلدئے!
میر جملہ کو خبر ملی تو وہ ماہیٔ بے قرار کی طرح سولی سے اکبر نگر پہنچا اور
دل شکستہ سپاہ کی ہمّت بڑھاتا رہا! اس میں شک نہیں
کہ میر جملہ اور اُس کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے چند سردار
ہی وہ نفوس تھے جن کی پامردی نے سلطنت عالمگیری کی
از سرِ نو بنیاد ڈالی ورنہ معاملہ قطعی دگرگوں ہو چکا تھا اور شجاع کا
پلّہ ہر طرح بھاری تھا! اکبر نگر میر جملہ کے ہاتھ سے نکل گیا، بہت
دور تک پسماندہ لشکر پسپا ہو گیا، لیکن میر جملہ اور اس کے
سرداروں نے۔ جن میں احتشام خاں بھی تھے۔ نہ مُنہ موڑا
نہ ہمّت چھوڑی! عالمگیر نے خبر پاتے ہی داؤد خاں اور
دلیر خاں کی کمک فوراً روانہ کی اور اب پھر لشکر شاہی کے
پانوں جمنے لگے! برسات کا پورا موسم اسی ردوکد میں بسر ہوا،

مہینہ بھر تک حملے اور جوابی حملے ہوتے رہے۔ فتح فریقین کے درمیان میں تقدیر معلّق کی طرح بنی رہی! کومک کے پہنچتے ہی لشکر شاہی نے اکبر نگر لیا، کھوئے ہوئے مورچے لئے، اور آئے دن تمام معبر زیر و زبر کرنے شروع کر دیئے! برسات کے اختتام کے ساتھ اقبال شجاع کا خاتمہ نظر آنے لگا! محمد سلطان محوِ عروسِ نو، غرقِ لذتِ وصال، رہا اور کافی عرصہ تک رہا! مگر برسات کا مطلع صاف ہوتے ہی آنکھ کھلی تو معاملہ دگرگوں نظر آیا۔ انجام بُرا تھا اور بُرا ہی سوجھنے لگا! اسلام خاں کو اشارہ کیا اور خاموشی سے ایک روز جیسا گیا تھا ویسا ہی واپس آگیا! شجاع کی ہمّت ٹوٹ گئی۔ میدان تنگ ہوا۔ شکست ہی شکست نظر آنے لگی! لشکر شاہی نے نہایت بہادری کے ساتھ دریا کو عبور کیا اور ماندہ سپاہ کو آگے دھر لیا! شجاع کا پاؤں اُکھڑا اور وہ پھر بھاگا!

عالمگیر کی سخت گیر پالیسی ممکن نہ تھا کہ شاہزادہ کو کورا چھوڑ دیتی! محمد سلطان حکم عالمگیری کے بموجب فدائی خاں کی حراست میں روانۂ بارگاہِ عالم پناہ کیا گیا: محمد سلطان قلعہ سلیم گڑھ میں مقیّد ہوا۔ ارادت خاں، امیر قلی اور قاسم علی اپنی شرارت

کی نذر ہوئے!

گوشہ گزینی

محمد سلطان کی ناعاقبت اندیشی کی پاداش جو کچھ اُس نے اور اُس کے افترا پردازوں نے بھُگتی وہ تو ظاہر ہے، لیکن اس واقعہ کے بعد سے محمد سلطان کے ساتھ متعیّن ہونے والے تمام امراء میر جملہ کی عینک سے مشکوک نظر آنے لگے! اسی وجہ سے شیخ فرید احتشام خاں بد دل ہو گئے! اور اکبر نگر، جہانگیر نگر اور ٹانڈہ کی فتوحات کے بعد خدمتِ تاج و تخت سے دست کش ہو گئے! کتب تواریخ مطبوعہ اس عارضی علیحدگی کا اشارتاً بھی ذکر نہیں کرتیں اور اس لئے پتہ نہیں چلتا کہ کس مہینے اور سنہ میں وہ دست کش ہوے! قلمی تواریخ میں اس علیحدگی کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن یہ غلطی کی ہے کہ اس علیحدگی کو مستقل استعفا بنا دیا ہے حالانکہ آیندہ کے واقعات مستند کتب تواریخ میں پھر ان کو سرگرمِ خدماتِ سرفروشی بتاتے ہیں!

یہ مسلمہ ہی کہ گوشہ گزینی کے زمانہ میں وہ شیخو پور میں رہے اور خاموش رہے! اس دست کشی کی مدّت کم و بیش ایک سال نظر آتی ہے! فی الحقیقت نہ تو احتشام خاں معتوب

ہوئے تھے اور نہ مشکوک سمجھے جانے کے قابل تھے: دست کشی ان کی اپنی طبیعت کی احتیاط اور خود داری تھی: ایک سال کے اندر کئی مرتبہ اُن کی طلبی ہوئی لیکن ہر مرتبہ غالباً انھوں نے کچھ نہ کچھ عذر کیا۔ بالآخر عالمگیر نے تاج خاں کے ہمدست ایک شقہ روانہ کیا جس کی عبارتِ معنی خیز کا ایک ایک لفظ بجائے خود قابل ملاحظہ و غور ہے:۔

"مشیخت[۱] پناہ۔ رفعت و نجابت دستگاہ۔
نتیجۃ الاکابر، خلف الاماجد۔ فرزندی اعزّی"
شیخ فرید در پناہِ خدا بودہ بعافیت باشند۔
بعد از سلامِ عافیت فرجام معلوم آنفرزند بودہ
باشد کہ ہنوز وقتِ آں نرسیدہ کہ ترکِ
منصب دنیا کردہ گوشہ نشینی اختیار نمایند۔

بمنبر ۱۔ یہ فرمان تمام فرامین سے زیادہ وقیع اور بیش بہا چیز ہے! عالمگیری ہونے کی حیثیت سے بھی، پُر معنی و وزنی ہونے کی وجہ سے بھی، اور سب سے زیادہ اس لحاظ سے کہ اس پر عالمگیر کے قلم کی چند مُحرّف سطریں عجیب قابل قدر تبرّک موجود ہے! اس شقہ اصلی کے قبضہ کا فخر بھی خان بہادر حکیم رضی الدین احمد خاں صاحب شفاء الملک کو حاصل ہے جنھوں نے دربارِ (بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ پر)

هر کس شمارا باین طریق ترغیب داده دانسته

باشید که دوستی نه کرده است. چه معنی وارد

که شما از خانه زادانِ خوبِ این درگاهِ آسمان

جاه بوده باشید. درین وقت که اول جوانی

و روز تردد و کار طلبی شماست خود را برکپائیده

گوشه گیرند. عزت آثار تاج خاں را بخدمت

شما فرستاده که شمارا بنصائح دلپذیر ازین اراده

باز آورده باشما بحضور آید۔ الله! الله! اگفته

او را اگفتۂ اینجانب دانسته بهبود و خیریت

خود را منظور داشته بزودی خود را بحضور رسانند

که در اشفاق و مهربانی انشاء الله تعالےٰ دقیقه

نامرعی نخواهد ماند و خاطر اینجانب را بغایة الغایة

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۴۸) شاہنشاہ معظم جارج پنجم کے موقعہ پر ایشیائے قدیم کی نمایش میں اس شقہ کو رکھا تھا اور عالمگیر کے خط و قلم کا نمونہ نادر ہونے کی وجہ سے عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا! شفاء الملک صاحب کو اس نادر بیش بہا چیز پر جسقدر فخر ہو بجا ہے! میں اُن کی عنایت و احسان سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے شقہ کی نقل دینے میں فراخ حوصلگی سے کام لیا! جوش!

متوجہ انتظامِ احوالِ خیر مآل خود دانند۔ زیادہ چہ نویسد۔ توفیقِ رفیق باد۔ ۸ آبان بہمہ نوشتہ شد!!!

اس شقہ کی پشت پر آصفجاں کی مہر ہے۔ اور حاشیہ پر خود شاہنشاہ عالمگیر کے قلم کی چند سطریں بطور محرّف درج ہیں جو اس شقہ کی وقعت کو دوبالا کرنے کے ساتھ حکم طلبی کو نہایت زوردار بنا دیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"اقبال آثارا۔ اصلا مطلب ایشاں ازیں ارادۂ نامعقول کہ پیش گرفتہ معلوم نشد۔ اگر از ملاحظۂ نامہربانی اینجانب است خطائے محض است۔ ما دریں مدت اقتدار و اعتبار بکدام دشمن خود در مقامِ انتقام شدہ ایم کہ بہ نسبت آں فرزند بے اعتنائی مے نمودہ باشم و تقصیرے کہ از اں فرزند بظہور رسیدہ کدام است کہ ایں ہمہ واہمہ بخاطر راہ میدہند؟ زینہار از ہیچ امر چیزے بخاطر نرسانیدہ بزودی روانۂ درگاہِ خلایق پناہ گردند۔ زیادہ چہ

نویسد۔ العافیہ بالعافیہ۔ والسلام۔"

عالمگیر جیسے شاہنشاہِ ہندوستان کا شقہ۔ تاج خاں کے ہمدست۔ اور اس سب پر طرّہ وہ چند محرّف سطریں جو عالمگیر کی ہمہ گیر لیاقتِ فرمانفرمائی کا نہایت مختصر نمونہ ہیں۔ ایسی معمولی چیز نہ تھیں کہ احتشام خاں کو کشاں کشاں نہ بلا لیتیں۔ اشقہ کے الفاظ "اللہ! اللہ! گفتہ" اور "اگفتۂ اینجانب والستہ بہبود وخیریتِ خود را منظور داشتنہ" کیسے وقیع اور تحکم آمیز ہیں۔ خود مختار عالمگیر کے شقہ میں یہ چند الفاظ شاہجہانی فرامین کی چند سطروں سے زیادہ خایف کن ہیں: لیکن عالمگیر اس زوردار جملہ کو اپنے قلم کی چند سطروں میں "تقصیرے کہ ازاں فرزند رسیدہ کدام ست کہ ایں ہمہ واہمہ بخاطر راہ میدہند؟" کے ملایم الفاظ سے، اور "اقبال آثارا" اور "فرزند" کے محبت آمیز خطابات سے، کس خوبصورتی ولیاقتِ تحریر کے ساتھ سمو دیتا ہے! جو کچھ بھی ہو شیخ فرید اس شقہ معنی لبریز کے بعد فوراً ہی واپس گئے اور ضرور گئے! شقہ مذکور سنہ ۴ جلوس عالمگیری کا ہے اور کتب تواریخ کی رو سے سنہ ۱۰۷۲ھ میں یعنی سنہ ۴ جلوس عالمگیری میں۔ ۱۸۔ ربیع الاول کو معظم خاں

میرجملہ دو ثلث فوج لیکر مہم آسام پر چلا اور ایک ثلث فوج مفتوحہ علاقہ جات کی حفاظت کے لئے چھوڑی گئی تو احتشام خاں بھی محافظ مقرر ہوئے !

محافظت جہانگیر نگر

سنہ ۴ جلوس عالمگیری میں شقۂ مذکور احتشام خاں کو ملا اور سنہ ۵ جلوس ہی میں اُن کا تقرر بطور محافظ جہانگیر نگر ہوا : وہ شقہ کے بعد ہی واپس گئے اور واپس جاتے ہی ان کا تقرر بطور محافظِ جہانگیر نگر ہوا - ہوا اور غالباً شقہ کے آخری جملہ "خاطر اینجانب را الغایتہ متوجہ انتظام احوال خیر مآل خود دانند" کے ثبوت میں ہوا ! جہانگیر بنگالہ کا ایسا زبردست مقام تھا جس کی مقامی اہمیت اس کو خاص طور پر محفوظ رکھنے کی حاجت ظاہر کرتی تھی - جہانگیر نگر اور اُس کے گرد و نواح کی سرزمین - مملکت بنگالہ کی سازوسامانِ فوجی کی مرکز تھی - قریب قریب ہر حصہ ملک کی شاہراہیں اس نواح سے گذرتی تھیں ! احتشام خاں کا تقرر[۱۱] خود عالمگیر کے حکمِ اعلیٰ سے

نمبر ۱۱ - عالمگیر نامہ محمد کاظم صفحہ ۶۸۳ !

ہوا تھا اور اختصاص خاں، راجہ امر سنگھ نروری معہ دیگر منصب داران احتشام خاں کے تحت میں بطور جماعت کومکیان مقرر ہوئے تھے! احتشام خاں جہانگیر نگر سے فتوحاتِ بنگالہ و آسام کی تکمیل پر سنہ ۶ جلوس عالمگیری میں واپس آکر ۲۲ شعبان کو دولت اندوزِ زیارتِ بادشاہی ہوئے! [12] اس مہمِ عظیم کی جانفشانی کے صلہ میں سنہ ۸ جلوس میں ان کے منصب سابقہ میں "پانصد سوار" کا اضافہ ہوا اور ایک بیش بہا گھوڑا [13] اطویلہ خاص سے عنایت ہو کر جاگیر کی طرف جانے کی اجازت ملی!! [14]

مہمِ دکن

سیواجی کا نام عالمگیری کے زمانہ کے تمام فساد و شورش میں اس درجہ مشہور ہے کہ کسی معمولی سے تعارف کی بھی حاجت نہیں: سیواجی کی داستان تمام مستند کتب تواریخ میں بھری پڑی ہے! سیوا اس نے اور اس کے مورث سا ہو نے

نمبر ۱۲ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۳ !

نمبر ۱۳ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۵ !

نمبر ۱۴ - عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۵۸ !

شاہجہاں کی زندگی ہی میں بغاوت و شورش پر کھلم کھلا کمر باندھ لی تھی: عالمگیر کے تخت نشین ہوتے ہی سیواجی کے خللِ دماغ میں ضرورت سے زیادہ زیادتی ہوگئی اور تخت ہندوستان کا خواب اُسے اُٹھتے بیٹھتے نظر آنے لگا! جب اس کے مظالم، آزاردہی، اور کج روی کی داستان روز افزوں ترقی کرنے لگی تو عالمگیر بھی اُس کے انسداد کی طرف مجبوراً متوجہ ہوا۔ جو انتظامات کئے گئے اُن میں راجہ جسونت سنگھ کا تقرر بھی تھا۔ جسونت سنگھ کی بغاوت کا قصور معاف ہو کر عالمگیری حکم سے اُس کا تقرر دکن کے کُل قلعوں کی فتوحات اور سیواجی کی سرزنش کے لئے ہوا تھا۔ لیکن عرصہ دراز تک جسونت نہ کوئی قلعہ فتح کر سکے اور نہ سیواجی کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کر سکے! ساتھ ہی ساتھ جسونت پر پوشیدہ سازش کا بھی گمان ہو چلا۔ عالمگیر نے اسی وجہ سے جسونت کو واپس آنے کا حکم دیا اور جے سنگھ کو ان کے بجائے مہم دکن پر معہ احتشام خاں کے روانہ کیا! احتشام خاں[۱۵] پورے

نمبر ۱۵- عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۶۸!

ایک سال بھی اپنے وطن میں آرام نہ لے سکے تھے کہ جے سنگھ کی کومک پر متعین ہوئے اور اس تقرر کے وقت فرمان کے ساتھ خلعتِ گراں بہا بطور مراحم خسروانہ اُن کو بھیجا گیا:

فرمان صادر ہوتے ہی اختشام خاں مہمِ دکن پر روانہ ہو گئے! لشکر شاہی اورنگ آباد شاہزادہ معظّم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوا پونا پہنچا! جسونت سنگھ واپس ہوا اور جے سنگھ و شیخ فرید اسی جگہ سیواجی سے مشغول پیکار ہوئے! جنیر، نادر، اور دیگر تھانوں کے استحکامات کی ضرورت تھی اور ان سب میں چوڑی کی جگہ پونا تھا۔ پونا کا قلعہ سب قلعوں سے زیادہ قابل لحاظ جنیر اور مضبوط جگہ تھا! ۷۔ رمضان ۸ سنہ جلوس عالمگیری کو جب جے سنگھ قلعہ ساسور کی طرف چلا تو اختشام خاں پونا کی حفاظت و استحکامات کے لئے تھانہ دارِ پونا مقرر ہوئے اور رندولہ خاں، بیرم دیو سیسودیہ، زاہد خاں، جاں نثار خاں، خواجہ ابو المکارم، چار ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ اختشام کے تحت میں چھوڑے گئے! پونا کی تھانہ داری کی معزز

نمبر ۱۶۔ عالمگیر نامہ میر محمد کاظم صفحہ ۸۷۱!

جگہ اور اس قلعہ کی حفاظت کی اہم ذمہ داری احتشام خاں
کی آخری خدمت تھی کیونکہ اسی سال ۵ سنہ جلوس عالمگیری
مطابق سنہ ۱۰۷۵ھ / ۱۶۶۶ء میں پونا ہی میں احتشام خاں عالم فانی
سے عالم جاودانی کی طرف کوچ کر گئے! انا للہ و انا الیہ
راجعون ٥

(۱)

کُل زندگی پر ایک نظر

دیکھو تو دلفریبیٔ اندازِ نقشِ پا!
موجِ خرامِ یار بھی کیا گُل کتر گئی!!

نواب فرید ۱۰۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۷۵ھ میں انتقال کر گئے! عرش آشیانی جلال الدین اکبر کی سلطنت کے اختتام میں کم و بیش ۶ سال باقی تھے جب ان کی روح کالبدِ خاکی میں مقیّد ہوئی اور شاہنشاہ محی الدین عالمگیر اورنگ زیب کو تختِ ہندوستان پر جلوہ افروز ہوئے قریب ۸ سال گذر چکے تھے جب وہ روحِ مقیّد پھر آزاد ہو کر عالمِ بقا کو پرواز کر گئی! گویا اس روح کی قیدِ جسمانی کی مدّت - یا دوسرے الفاظ میں احتشام خاں کی عمر تقریباً ۶۷ سال ہوئی! ۱۰۲۱ھ سے وہ خدمتِ تاج و تخت میں مصروف ہوئے اور آخری سانس آنے تک برابر جاں نثاری پر کمر بستہ رہے! یعنی ۶۷ سال کی عمر میں سے ۵۴ سال کی مدّت

سرفروشی کی خدمات کے نذر ہوئی!

عقل و بصیرت کی آنکھ عمر کے ساتھ جسقدر کھلتی گئی اسیقدر ان کو نظر آتا گیا کہ نواب قطب الدین خاں جیسا باپ نمک حلالی کے اظہار میں سر سے اُٹھ گیا تھا۔ کشور خاں جیسا بھائی نور جہاں کی فطرت کے نذر ہو چکا تھا۔ اور ان کو جو کچھ کرنا تھا خود کرنا تھا اور بلا سرپرستی و امداد کرنا تھا! تاریخ عالم کے اوراق شاہد ہیں کہ دنیا کے سر بر آوردہ حضرات جن کا نام زندۂ جاوید ہے ایسی ہی بیکسی کے عالم میں ہوش سنبھال کر اپنی قوت بازو پر اعتماد کرنے اور اپنی ہی ٹانگوں کے بل کھڑے ہونے کے عامل ہوئے۔ عامل ہوئے اور اس عمل کی بدولت حیاتِ کش مکش آمیز کے جدّ و جہد میں آخر وقت تک مستقل، کامران اور فتحمند رہے! ہر کلینر کی طرح اپنی زندگی کی گاڑی کے ڈھکیلنے کے لئے اپنا ہی کندھا لگانے پر مجبور تھے اور اس مجبوری کی بدولت سب کچھ خود ہی کرتے رہے اور کامیابی کے ساتھ کرتے رہے!

اوائل عمر میں قلعہ کی زندگی اور مکتب شاہی کا درس، شاہزادوں کی صحبت اور آصف خاں کی اتالیقی، یہ سب چیزیں قسمت نے

مہیّا کیں، لیکن گرد و پیش کی حالت سے پورا پورا متمتع حاصل کر لینے کی صلاحیت ان کی طبیعت نے دکھائی! قدرت نے جو دماغ ودیعت کیا تھا اُس کو صحیح رکھنے اور صحیح طور پر استعمال کرنے کا سہرا ان کے سر رہا!

انتظامی قابلیت شیخ فرید کی اور خصوصیات میں سب سے زیادہ ممتاز جو بات نظر آتی ہے وہ انتظامی قابلیت ہے! انتظامی قابلیت ایک ایسی چیز ہے جس کے۔ مرتبہ اور فرائض کے لحاظ سے۔ دو حصّے اعلےٰ و ادنےٰ کیئے جاسکتے ہیں! ادنےٰ کے لئے کارکُنی اور اعلےٰ کے لئے کارفرمائی زیادہ موزوں الفاظ ہو سکتے ہیں! کارکُن اور کارفرما میں وہی فرق ہے جو ایک سپاہی اور ایک سردار سپاہ میں، یا ایک کام کرنے والے اور ایک کام لینے والے میں ہوتا ہے! یہ دونوں باتیں فی الحقیقت علیحدہ علیحدہ چیزیں چیزیں ہیں! ہر جانباز سپاہی اعلیٰ درجہ کا جنرل نہیں بن سکتا! کارفرمائی کی قابلیت بذات خود ایک خاص چیز ہے اور تجربہ و تعلیم اس قابلیت کو عدم محض سے وجود میں نہیں لا سکتا!

شیخ فرید کو اپنی اس قابلیت کے اظہار کا موقعہ ۱۰۰۳ھ میں ملا جب وہ ناظم بداؤں مقرر ہوئے! تیرہ ہان محال والی سرکار بداؤں پر بائیس سال کے نوجوان کا عامل مقرر ہونا۔ ایک ایسی بات تھی جس سے یقین ہوتا ہے کہ لیاقتِ شخصی کو جانچ لینے والے دماغ نے اُن کی اس غیر معمولی قابلیت کی جھلک کو اسی عمر میں دیکھ لیا تھا: پانچ سال تک اس نوجوان شخص نے عملی طور پر اُس قیاس کو صحیح ثابت کر دکھایا! ان کے زمانۂ نظامت میں سرکار بداؤں میں امن و سکوت اُس پُر آشوب زمانہ میں قایم رہنا انکی قابلیتِ کارفرمائی کا ایک زندہ ثبوت ہے جس کے بعد اور کسی استدلال عقلی کی حاجت نہیں رہتی! ان کے والد ماجد کے نظامت بداؤں میں فساد کا ہونا اور رفع فساد کے لئے کانٹھ اور گولا کے ماتحت عمّال کا کمک کے طور پر آنا تاریخ میں نظر آتا ہے لیکن احتشام خاں کی مدتِ نظامت بلا کسی فساد و شورش، بد نظمی و بد عملی، کے نہایت کامیابی کے ساتھ گذر ہی!

جنرل کی حیثیت سے

نواب فرید کی تمام تر خدمات نظامتِ بداؤں اور چند اور عارضی انتظامات کے علاوہ فوجی

تھیں اور اسی میں ان کی عمر کا بیش بہا حصہ صرف ہوا ایک سپاہی کی حیثیت سے نہ کوئی اُن کا تذکرہ کہیں نظر آتا ہے اور نہ غالباً وہ کوئی عمدہ سپاہی ثابت ہوئے! مثلاً جس طرح ان ہی کے عزیز شیخ کبیر رستم زماں خاں، عثمان خاں افغان کے مقابلہ میں سپاہیانہ طور پر بے نظیر ثابت ہوئے تھے شیخ فرید اس طرح کبھی ممتاز نہیں ہوئے! البتہ جنرل کی حیثیت سے۔ سردار کی صورت میں۔ ان کا نام نہایت جلی الفاظ میں نظر آتا ہے! تسخیر سنگمنیر میں سب سے پہلے ماتحتی کی حیثیت سے جدا ہو کر انھیں ذمہ داری اٹھانے اور اپنی قابلیت دکھانے کا موقعہ ملا۔ پہلے ہی موقعہ پر جس خوبی کے ساتھ انھوں نے ناسک اور اس کی نواح کو باغیوں سے صاف کر دیا اُسی کی وجہ سے آیندہ وہ بذات خود سردار کی حیثیت سے بھیجے گئے اور ذمہ دار بنا کر بھیجے گئے! ۱۰۴۴ھ میں پھر اُن کی مستعدی و جانبازی کا ثبوت ملا! تاخت کابل کے بعد نظم دارالخلافہ کا بوجھ قریب ایک سال تک سنبھالے رہنے سے ان کی قابلیت کا اور زیادہ مشاہدہ ہو سکا! چنانچہ فتوحات بلخ و بدخشاں پر متعین ہوتے وقت ان کی حیثیت معمولی سردار

کی نہ رہی تھی۔ یہ امیرِ نامی یا جنرل سمجھے جاتے تھے، اسی مہم عظیم میں سات سردارِ نامی معہ اپنی اپنی افواج کے شیخ فرید کی ماتحتی میں مقرر کئے گئے تھے اور یہ اُن ساتوں سردارانِ نامی کے امیر یا کمانڈر تھے! فتوحات بلخ و بدخشاں میں اکثر امرار کا پائے ثبات ڈگمگا گیا اور شاہزادہ مراد تک جی چھوڑ گیا لیکن جو امیر آخر وقت تک سینہ سپر اور محو سر فروشی رہے اُن میں شیخ فرید کا نام بھی صاف نظر آتا ہے! خاص بلخ کی نگرانی و محافظت کے لیئے آخر تک استقلال کے ساتھ قایم رہنا ایسا فعل تھا جس کا سہرا بہادر خاں اور شیخ فرید کے سر رہا! انھوں نے اس وقت تک قدم پیچھے نہیں ہٹایا جب تک کہ دراندازی نے شاہجہاں کی طبع عالی کو ان کی طرف سے مکدّر نہ کر دیا! دارا شکوہ کو۔ اس کے بعد۔ شجاع کے مقابلہ کے لیئے پھر چار ناچار ان ہی کو بلانا اور جے سنگہ کے ساتھ روانہ کرنا پڑا! بنارس کے مقابلہ نے اخلاص خاں بنا ہی دیا تھا۔

عالمگیر کے زمانہ میں محاصرۂ الہ آباد نے احتشام خاں بنا دیا!
احتشام خاں نے معرکۂ شجاع میں جو بہادری اور بے نظیر قابلیت سرداری دکھائی وہ ہر تاریخ میں موجود ہے اور زمانہ کے ساتھ زندہ رہے گی! یہ ہراول میں مقرر ہوئے تھے اور ہراول

ہی وہ حصّہ تھا جس نے واقعی شجاع کے مقابلہ میں اورنگ زیب
کی عزت رکھ لی: جسونت کی مکّاری سے بدنظمی پھیل چکی تھی،
بلند اختر کے حملہ سے برنغار ڈگمگا چکا تھا اور میدان تقدیر معلّق
کی طرح فریقین کی جدوجہد کے ساتھ ادھر سے اُدھر تلوّا جاتا تھا!
اورنگ زیب کبھی ہرگز عالمگیر نہ بنتا اگر یہ معرکہ دگرگوں ہوجاتا۔
اور یہ معرکہ یقینی دگرگوں ہوجاتا اگر اُس نازک وقت میں ہراول
سے بے نظیر شجاعت وجاں بازی کا اظہار نہ ہوتا! اسی ہراول
کے سردار احتشام خاں تھے جس کی سرفروشی اور استقلال کی
بدولت عالمگیر عالمگیر بنا! عالمگیر کی چشم مرتبہ فہم نے اس قابلیت
کا مشاہدہ ہی نہیں موازنہ کیا اور اسی کی وجہ تھی کہ جب یہ محمد سلطان
کے منسوب ہونے کے زمانہ میں کبیدہ خاطر ہوکر دست کش ہوئے
تو عالمگیر نے ان کو نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا! عالمگیر۔ اس کے بتانے
کی ضرورت نہیں۔ ایسا بادشاہ تھا جو سلطنت کی باگ خود
اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ہر جگہ اور ہر شخص کو خود سمجھتا تھا اور خوب
سمجھتا تھا؛ فی الحقیقت اس کی سلطنت اس کی اپنی سلطنت
تھی، پس پردہ کسی ابوالفضل یا آصف خاں کی حکومت نہیں
تھی! احتشام خاں اگر غیر معمولی قابلیت کے سردار نہ ہوتے تو

عالمگیر جیسا بادشاہ ان کی واپسی کا کوشاں نہ ہوتا۔ احکامات نہ بھیجتا۔ اصرار نہ کرتا۔ تاج خاں کے ہاتھ شقہ نہ بھیجتا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ۔ اُس شقہ پر اپنے دست مبارک سے "فرزند" اور "اقبال آثار" کے الفاظ نہ لکھتا اور کبھی ہرگز نہ لکھتا! عالمگیر نے ان کو واپس ہی نہیں بلایا بلکہ ان کی ناز برداری کی۔ واپسی کے ساتھ ہی مہم بنگالہ پر مقرر کیا تو اس عزت کے ساتھ کہ جہانگیر نگر کا محافظ مقرر کیا

اور اختصاص خاں و راجہ امر سنگھ نروری کو معہ دیگر منصب داروں کے ان کے تحت میں دیا! آخر زمانہ میں پونا کی تھانہ داری کی عزت بھی ان کی غیر معمولی قابلیتِ کارفرمائی کی بدولت تفویض ہوئی! "پونا کی تھانہ داری کیا چیز تھی؟" اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رندولہ خاں، بیرم دیو سیسودیہ، زاہد خاں، جانثار خاں، اور خواجہ ابو المکارم چار ہزار سوار کی جمعیت کے ساتھ احتشام خاں تھانہ دار پونا کی ماتحتی میں مقرر کئے گئے تھے!! احتشام خاں جب تک سپاہیانہ حیثیت سے رہے مشہور نہیں ہوئے لیکن سرداری کا موقعہ ملتے ہی وہ چمکنے لگے اور ان کی قابلیت کارفرمائی موازنہ کرنے والی نظر کو کھینچنے لگی۔ جنرل کی حیثیت سے وہ نہایت

کامیاب، فتحمند، منتظم، اور شجاع سرداروں میں سے سمجھے جانے کے قابل ثابت ہوئے !!

پیش بینی

واقعاتِ مستقبل پر اپنی حسب حیثیت پہلے سے امید قایم کر لینا انسان کے دماغ کا فعل ناگزیر ہے ! لیکن اس امید کا صحیح ہونا دماغ کے اخذ کیئے ہوئے نتیجہ کی صحت پر زیادہ تر منحصر ہے ! ماضی کے واقعات و نتایج کو علوم متعارفہ سمجھکر حال کی حالت گرد و پیش سے مستقبل کے لیئے رائے قایم کرنا پیش بینی کے نام سے پکارا جاتا ہے ! قوّتِ فکر و قوّتِ استنباط جسقدر عمدہ اور صحیح فہم ہو گی اُسیقدر پیش بینی بھی ۔ اکثر و بیشتر۔ قریب قریب صحیح ثابت ہو گی ! نواب فرید کی زندگی پر اس لحاظ سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ نے مستقبل کے لیئے ہمیشہ صحیح نتیجہ اخذ کیا اور وہ اسی وجہ سے کبھی ناکام نہیں ہوے ! مثلاً سب سے اول ہوش سنبھالتے ہی جہانگیری دور میں نورجہاں اور آصف خاں کی دلی رقابت اور اس کی وجہ سے کُل طبقۂ اعلےٰ کی دو جگہ تقسیم ۔ اُن کے سامنے تھی : نورِ جہاں عملی طور پر سیاہ و سفیدِ سلطنت کی مالک

تھی اور اسی لئے قریب قریب تمام ذی اثر امراء اس کے گروہ میں تھے؛ عام روش کے لحاظ سے شیخ فرید کو بھی نور جہاں پرستی اختیار کرنی چاہیے تھی ، لیکن ان کے دماغ صحیح اور فکرِ رسا نے اُن کو سمجھا دیا کہ جہانگیر کے بعد نور جہاں کا اثر کالعدم ہو جائیگا اور آصف خاں شاہجہاں کی بدولت کامراں ہوگا ! انہوں نے وقت اور موقعہ سے حتی الامکان پورا فائدہ اُٹھایا اور آصف خاں کو خسر بنا کر دورِ شاہ جہانی میں اپنی عزت قایم کرنے کی بنیاد رکھدی ! دوسری مرتبہ پھر شاہجہاں کی سلطنت کے خاتمہ پر دارا شکوہ اور عالمگیر کی مخالفت کا اثر تھا ! اس وقت بھی بڑا گروہ دارا شکوہ کے زیر اثر اور زیر حکم تھا ! شیخ فرید اول سے دارا شکوہ کے پسندیدہ امرا میں سے نہ تھے چنانچہ شاہجہاں کی سلطنت کے آخری حصہ میں۔ جسوقت دارا شکوہ فی الحقیقت حکمرانی کر رہا تھا۔ شیخ فرید بلخ و بدخشاں کے مہم کے بعد معزول کر دئے گئے :

صاحب ماثر الامرا اس معزولی کی وجہ "افزونی ارتکاب منہیّات" تحریر فرماتے ہیں اور خانی خاں نظام الملکی۔ جن کی تالیف منتخب اللباب غالباً صاحب ماثر الامراء کی تاریخ نویسی کا جزو اعظم ہے۔ انحرافِ حکم اس کا سبب بیان کرتے ہیں ! فرامین مندرجہ بالا کی عبارت

اس کی وجہ تعدّی و بدسلوکی ظاہر کرتی ہے اور ان کے علاوہ کوئی اور مفصل تحریر اس واقعہ کی نسبت کہیں نہیں ملتی! صاحب ماثر الامرا کا الزام ایک ایسا انوکھا الزام ہے جس کی تائید کسی دوسری مستند تاریخ یا فرمان سے نہیں ہوتی! "ارتکاب مغیّرات" ایک ایسی چیز تھی جو اُس زمانہ میں طبقۂ امرا میں عموماً اور قلعۂ شاہی میں خصوصاً زیرِ عمل تھی: جہانگیر نے اپنے ہاتھ سے شاہجہاں کو اس کا مرتکب بنایا۔ اور بنایا ہی نہیں بلکہ اُس کو سلطنت کا جوہر سمجھ کر ظاہر بھی کیا! محض اس عادت پر اُس زمانہ میں کس کس کو سزا دی گئی تھی جو شیخ فرید کو بھی معزول کیا جاتا؟ البتہ اس عادت کی اس درجہ زیادتی جو فرائضِ منصبی کو پورا نہ کرنے دے ضرور قابلِ لحاظ سمجھی جاسکتی تھی۔ لیکن اگر شیخ فرید اس درجہ "افزونیٔ ارتکاب مغیرات" میں پیا جالغالم بن گئے تھے تو آئندہ چل کر اس عادتِ قبیح کا ایک دم ترک ہوجانا بھی اعجاز سے کم نہیں ہے! اسقدر بڑھ جانے کے بعد فیصدی ۵ آدمی بھی مشکل سے نکل سکتے ہیں جو اس کو ترک کردیں۔ یا ترک کردینے کا جہادِ نفس کریں اور زندہ رہجائیں، باکار بنے رہیں، زندگی کی کش مکش میں برابر استقلال و بہادری دکھائے جائیں! قلمی تواریخ اور تواریخ مطبوعہ

میں سے ایک بھی سوائے "ماثر الامرائے تیموری" کے۔ شیخ فرید پر ایسا الزام نہیں لگاتی! مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سوائے اس ایک جملہ کے جو صاحب ماثر الامرار نے محض معزولی کی وجہ بیان کرنے میں اضافہ کیا ہے اور کہیں اس کی جھلک شیخ فرید کی اگلی یا پچھلی زندگی کے واقعات سے نظر نہیں آتی۔ کم از کم میری عقل اس الزام کو بصورت موجودہ ماننے کے لئے تیار نہیں! اب رہا "انحراف حکم" اور راجہ بیتھل داس کے ساتھ کومک کامل پر جانے میں تعلّل، اس میں جسقدر بھی اصلیت ہو قابل تسلیم ہے! اس وجہ کو قرائنِ متعلقہ اور داراشکوہ کی مخالفت کے ساتھ دیکھا جائے تو واقعہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے! دونوں فرمان جن کی نقول دوسرے حصّہ میں دی گئی ہیں "نشان" ہیں یعنی داراشکوہ کی مہر سے جاری ہوئے ہیں اور اُسی کا حکم سمجھے جا سکتے ہیں! تاریخ شاہد ہے کہ بلخ و بدخشاں کی مہم پر متعیّن ہوتے کے وقت شیخ فرید کی پوزیشن ایک معمولی سردار یا منصب دار کی سی نہ تھی! وہ اُن امیرانِ نامی میں سے تھے جن میں سے ہر ایک کے تحت میں سات سات سردار معہ اپنی افواج کے متعیّن کئے گئے تھے: گویا سات افواج یا امرار کی جمعیت کے کمانڈر اِن چیف

یا امیر الامراء کی حیثیت شیخ فرید کی تھی: بعد میں ان کو راجہ بیٹھل داس کی ماتحتی میں بطور کمک کے مقرر کیا گیا جو پہلے پوزیشن کے لحاظ سے یقینی تنزل تھا: اس تنزل کی کوئی وجہ نہ کسی تاریخ میں ملتی ہے نہ قلمی افسانوں میں: جو کچھ بھی ہو، ایک ذمہ دار سردار کو چشم زدن میں ماتحت بنا دینے سے جو اثر اُس سردار پر ہوگا وہی شیخ فرید پر ہوا اور وہ نیچرل تھا! اس لحاظ سے جو کچھ انحراف حکم اُن سے سرزد ہوا اسی کی یادداشت انھوں نے بھگتی! لیکن فی الواقع یہ تمام انحراف حکم اُسی ناپسندیدگی اور مخالفت پر مبنی تھا جو دارا شکوہ کو ان سے تھی: ظلم و تعدی، بدسلوکی و انحراف حکم، اور ایسے ہی بےشمار قصور ہر سردار یا حاکم پر اس وقت بہت آسانی سے لگائے جا سکتے ہیں جب قوت حکمراں اس کی معزولی کی درپے اور عیب جو ہو! واقعات عالم اس حقیقت امر کو ہمیشہ سے ثابت کرتے آئے ہیں اور اب بھی ثابت کرتے رہتے ہیں! شیخ فرید بھی اسی کے بدولت معزول ہوئے!!

خیر! اس معزولی کے جملۂ معترضہ کو علحدہ کر دیا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ اُن کے دماغ نے اس مرتبہ بھی عالمگیر کا ساتھ

ساتھ دینے میں نہایت صحیح پیش بینی اور انجام فہمی کا اظہار
کیا!! نواب فرید کو دارا شکوہ نے مجبوری کے وقت
شجاع سے مقابلہ کرنے کے لئے دوبارہ بلایا اور فتح بنارس
کے بعد پٹنہ کا صوبہ دار اور اخلاص خاں بھی بنا دیا۔ عام
روش اس بات کی مقتضی تھی کہ عبدالجلیل بارہہ قلعہ دار
چیتا پور اور قاسم خاں بارہہ قلعہ دار الہ باد کی طرح پٹنہ کی
صوبہ داری پر اخلاص خاں بھی خواب خرگوش میں رہتے
اور انجام کی مطلق پروا نہ کرتے! لیکن اس مرتبہ بھی ان
کی عقل سلیم اور فکر صحیح نے مستقبل کی نہایت صحیح تصویر ان
کے پیش نظر کر دی: عالمگیر نے نہ پٹنہ کا رُخ کیا تھا اور نہ یہ
مجبور ہوئے تھے: انھوں نے نہ تو راجہ جسونت سنگھ کی
طرح رات میں شب خون مار کر غدّاری کی اور نہ مکرّم خاں صفوی،
سنجر بیگ اور عبدالرحمٰن خاں کی طرح عین کارزار میں ایک
کا ساتھ چھوڑ کر دوسرے سے جا ملے۔ بلکہ بالکل صاف طور
پر صوبہ داری پٹنہ سے دست کش ہو کر عالمگیر کی خدمت میں
کُھلّم کُھلّا حاضر ہو گئے اور سموگڑھ کے معرکہ میں شامل ہوئے!
اُن کی اس علیحدگی کی نسبت کسی مورّخ نے ان پر غدّاری کا

الزام نہیں لگایا ہے! عالمگیر کی طرفداری اس خوبصورتی کے ساتھ شروع کرنا ان کے دماغ کے معاملہ فہمی اور پیش بینی کی بے نظیر مثال ہے!

خودداری

نوّاب فرید میں خودداری کا جذبہ بھی غیر معمولی تھا۔ اس کی وجہ سے ایک مرتبہ ان کو کچھ عرصہ کے لئے نقصانِ عظیم بھی برداشت کرنا پڑا۔ لیکن مستقل اور راسخ الرائے ہونے کی وجہ سے وہ نقصان برداشت کرنے کو خودداری کے خلاف عامل ہونے پر ترجیح دیتے رہے! خودداری اور اولوالعزمی ایک ہی جذبہ کی دو مختلف صورتیں ہیں! خودداری ہی فی الحقیقت وہ چیز تھی جس نے نواب فرید کو داراشکوہ کے انحرافِ حکم پر آمادہ کر دیا اور کل زرِ نقد کی ضبطی اور معزولیٔ عہدہ و منصب بھی اس سے انہیں باز نہیں رکھ سکی! اس کے بعد عالمگیر کے زمانہ میں بھی جب وہ شاہزادہ محمد سلطان کی ہمراہی میں متعین ہوئے تھے اور میر جملہ کی عینک سے مشکوک نظر آنے لگے تھے تو انھوں نے فوراً خدمات متعلقہ سے دست کشی کی اور خودداری کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ عالمگیر جیسے سخت گیر

شاہنشاہِ ہند کا خود اپنے قلم سے چند سطریں لکھنا، "فرزند" سے خطاب کرنا، اور اسقدر دلجوئی کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ وہ واپس ہوئے تو اس وقت جب ان کو جہانگیر نگر کی حکومت تفویض ہوئی! احتشام خاں میں استقلال کے ساتھ خودداری کا جذبہ ہمیشہ رہا اور کبھی وہ اس کو نظر انداز نہ کر سکے!

احساسِ شرافت

حسب و نسب کا تحفظ زمانۂ ماضی میں سب سے زیادہ ضروری سوشیل مسئلہ تھا۔ بلکہ اگر معاف کیا جائے تو اب بھی اُن افراد میں باقی ہے جو اس وقت تک اس کے تحفظ میں کامیاب رہے ہیں! شیخ فرید کا حسب و نسب بیان کر دینے کے بعد مجھے اس کی حاجت نہیں کہ میں اُن کے شرافت آبائی کو سند اس کے ساتھ ثابت کروں۔ حضرت فاروق اعظم اور بابا صاحب کے اسمائے گرامی کسی تعارف یا ریمارک کے محتاج نہیں ہیں! نواب فرید کو تحفظ نسب کا خیال نسلاً بعد نسلاً ورثہ میں پہنچا تھا! اسی احساس شرافت کے لحاظ سے ایک کام انھوں نے ایسا کیا جو فی الواقعی ہر لحاظ سے اہمیت رکھتا ہے!

تحفظ نسب کا لحاظ اُن کے آباؤ اجداد بھی بدایوں میں آباد رہکر برابر کرتے رہے لیکن بدایوں سے علیحدہ ہو کر محض اپنی خاندانی حیثیت قایم کرنا ایک ایسا بے نظیر کام تھا جس کا سہرا نوّاب صاحب مرحوم کے سر ہے! جس خوبی کے ساتھ انھوں نے اپنی ذات اور اپنی نسل کو بدایوں کی روز افزوں آبادی میں غرق ہو جانے سے روکا وہ واقعی خاندانی لحاظ کے علاوہ پولٹیکل نقطۂ نگاہ سے بھی نہایت وقیع ہے! بدایوں کے موّرخین اور عام اصلی باشندوں کو ممکن ہے کہ ان باہر کے زمانہ میں آکر آباد ہونے والے چند فاتحین کا عروج و اقتدار ناگوار گزرا ہو اور اسی وجہ سے کچھ کج رخی و سرد مہری دیکھکر نواب فرید نے بدایوں کو چھوڑ کر شیخو پور بسایا ہو، جو کچھ بھی ہو۔ انھوں نے بدایوں کی عام آبادی سے علیحدہ ہو کر اپنے خاندان کی جداگانہ حیثیت قایم کرنے میں نہایت بیدار مغزی و احساسِ شرافت کا اظہار کیا! کسی مجبوری یا ضرورت شدید کی وجہ سے یہ انتقال وطن ناگزیر چیز نہ تھی کہ بلا سوچے سمجھے مجبوراً عمل میں آئی ہو۔ بلکہ بدایوں کے عین اقتدار و نظامت کے زمانہ میں نواب فرید نے اس چار ہزار بیگہ زمین کو اپنی

استدعا پر دربار جہانگیر سے حاصل کیا تھا!

انتخاب مقام چار ہزار بیگہ زمین۔ مزروعہ و افتادہ بالمناصفہ۔ دربار جہانگیری سے عطا ہوئی تھی لیکن اُس کو جس جگہ چاہے پسند کرنا شیخ فرید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ وہ خاص مقام پسند کرنا جو شیخوپور کے نام سے موسوم ہوا ان ہی کا کام تھا! دریائے سوتھ کے کنارے موضع پھلیا کے اونچے کھنڈروں کے ڈھیر آبادی کے لئے منتخب کئے گئے: اس وقت کسی انجنیر یا ماہرِ فنِ عمارات سے نواب فرید کا رجوع کرنا نہیں پایا جاتا۔ جو کچھ انھوں نے کیا خود کیا اور اپنے ہی دماغ کی امداد سے کیا! شیخوپور کی آب و ہوا کسی قرب وجوار کی آبادی سے بُری نہیں ہے، بلکہ بالمقابلہ بدایوں سے سال کے اکثر حصوں میں اچھی رہتی ہے! شیخوپور کی جگہ کے انتخاب میں نواب صاحب کے دماغ نے اور بھی زیادہ بیدار مغزی کا ثبوت دیا! شیخوپور لب دریا بھی ہے، اونچی جگہ بھی ہے، زراعت کے لحاظ سے عمدہ زمین بھی رکھتا ہے، اور سب سے زیادہ خوبی کی بات یہ ہے کہ بدایوں کے بالکل قریب ہو کر بھی

علٰحدہ ہے اور اپنی جداگانہ ہستی رکھتا ہے! بدایوں سے
علٰحدگی اختیار کرنے کے وقت ممکن تھا کہ نواب فریدکوئی
زمین سہسوان کے قریب یا بدایوں سے فاصلہ پر پسند کرلیتے،
لیکن ان کا دماغ سمجھ رہا تھا کہ پولٹیکل اور لوکل ضروریات
کے لحاظ سے بدایوں سے بُعدِ بعید بھی نقصان دہ ہے:
انھوں نے اپنے خاندان کی جداگانہ ہستی قایم کرنے اور
تحفظ نسل کے ساتھ ہی بدایوں کے قریب ہونے کی مقامی
اور معاشرتی اہمیّت کو بھی فنا نہیں ہونے دیا! اس انتخاب
مقام کو آج سے ۵۰ سال پیشتر شاید اس خوبی کے ساتھ نہ سمجھا
گیا ہو جسقدر کہ اب سمجھا جاسکتا ہے! "شیخوپور کا بدایوں کے
قریب ہوکر علٰحدہ طور پر اپنی ہستی باقی رکھنا" بھی احتشام خاں
مرحوم کے دماغِ بیدار کی فکرِ صحیح اور بلند پروازی کا نتیجہ ہے!

گھر میں

احتشام خاں اپنے گھر میں بھی اسیقدر کامیاب
رہے جسقدر گھر سے باہر ملازمت شاہی
میں! اُس زمانہ میں ہر ذی قابلیت و حیثیت
شخص تعدد ازواج کا عملی طور پر ماننے والا تھا: بظاہر ایک
بیوی پر اکتفا کرنے اور بباطن بدنظری اور بدعملی کا مرتکب رہنے،

کو جائز طور پر چار نکاحِ شرعی کر لینے سے بدرجہا مذموم اور معیوب سمجھا جاتا تھا! نفسِ حیوانی کو جائز طور پر مطمئن کرنا سوشیل نقطۂ نگاہ سے بھی اسقدر قابلِ انگشت نمائی نہ تھا جسقدر آج کل مساواتِ حقوق کے زیر سایہ سمجھا جا رہا ہے! مجھے اس بحث کو چھیڑنا مقصود نہیں ہے کہ پُرانے جائز اور محدود طریقہ ازدواج اور موجودہ ناجائز اور غیر محدود تعیش میں کونسی صورت زیادہ معیوب، ضرر رساں، افزائش نسل کے لیے مہلک اور سوسائٹی کو تباہ کرنے والی ہے! بہرحال اُس زمانہ میں قوت جسمانی اور جذبات حیوانی نسبتاً موجودہ نسل کمزور سے زیادہ قوی اور دیر پا ہوتے تھے اور معقول تعداد تعدد ازواج کی حامل تھی! نواب فرید نے چار نکاح کرنے کے ساتھ حدود شرعی سے آخری حد تک فائدہ اُٹھایا تھا! ایک بیوی خاندانی اور اولاد باصاحب سے تھیں، دوسری آصف خاں اعتماد الدولہ کی صاحبزادی تھیں، تیسری ایک شریف النسل افغانی بی بی تھیں

نمبر ۱۔ شادی۔ اسمائے ازواج۔ اور خانہ داری کے تمام حالات خاندان شیخوپور کی غیر مطبوعہ کتب تواریخ سے ماخوذ ہیں!!

جو انھوں نے فتوحات بلخ و بدخشاں میں حاصل کی تھیں، اور
چوتھی ایک راجپوت تھیں جن سے غالباً ہم مٹو کے زمانہ میں
نکاح ہوا تھا! یہ چاروں بیویاں ایک ہی محلسرائے میں جو
انھوں نے قلعہ کے اندر تعمیر کرائی تھی رہتی تھیں! چاروں
کو عدلِ شرعی کے موافق ایک ہی گھر میں اور ایک ہی حالت
میں رکھنے میں آخر وقت تک نواب فرید کامیاب رہے!
اولاد پہلی اور اپنے خاندان کی بیوی سے ہوئی۔ یا اعتماد الدولہ
کی صاحبزادی سے ایک لڑکی ہوئی۔ اور کسی بیوی سے
کوئی اولاد نہیں ہوئی! اولاد کی تعلیم و غور پرداخت۔ اُس
زمانہ کے موافق۔ انھوں نے نہایت اچھی کی بلکہ اپنے
سامنے خدمات پسندیدہ پر مامور کرا دیا! تمام خاندان کو
محبت کے ساتھ برتنا اور اُن کی آسایش کو ملحوظ رکھنا انتشام خاں
کا شعار تھا! انتظامی قابلیت جو بڑے پیمانہ پر نظامت سرکار
بدایوں، نظامتِ دارالخلافہ، قلعہ داری ناسک و بلخ،
صوبہ داری پٹنہ، اور تھانہ داری پونا میں بارہا ظاہر ہو چکی
تھی امورِ خانہ داری میں بھی نہایت کامیاب اور نفع بخش ثابت
ہوئی! قلعہ کی اندرونی تقسیم۔ باغیچہ، محلسرائے اور عام

آبادی۔ پرانے اصول کے موافق برابر قایم رہی! تمام انتظامات خاندانی ان ہی کے زیر حکم تھے اور برابر کامیابی کے ساتھ ان کا بندوبست ہوتا رہا! "تبرکات باباصاحب رح" کا حاصل کرنا اور ان کو پاس ادب کے لحاظ سے اپنے سر پر جگہ دینا ایک ایسا معنی خیز فعل تھا جس سے بیک کرشمہ دوکار کا اعجاز ظاہر ہوتا ہے! اول تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احتشام خاں کو "نام نیک رفتگان" کا کسقدر خیال تھا اور دوسرے یہ کہ ہر سال باباصاحب کا عرس ہونے کی بنیاد ڈالنے کے یہ معنے ہیں کہ آنے والی نسلیں اپنے مورث اعلے کی یاد ہمیشہ تازہ کرتی رہیں اور خاندانی خصوصیت کو کسی طرح نظر انداز نہ کر سکیں! اس فعل سے جسقدر حب اسلاف۔ اور اس کی وجہ سے قومیت۔ پیدا ہو سکتی ہے محتاج بیان نہیں! باباصاحب رح کی اولاد ہندوستان کے اور گوشوں میں بھی بفضلہ اب تک موجود ہے لیکن ہر جگہ عام آبادی میں ملی جلی اور غرق شدہ ہے۔ شیخوپور کی طرح علحدہ خاندانی ہستی اور مقامی خصوصیت کے ساتھ باباصاحب سے وابستہ رہنا کسی جگہ نہیں ہے۔ اس بے نظیر قیام شخصیت، جداگانہ مستقل حیثیت

اور تحفظِ مرتبہ ونسب کا تمامتر سہرا اُسی ذات سے تعلق رکھتا ہے جو کم و بیش ساڑھے تین سو برس سے اپنے آباد کیئے ہوئے قصبہ کے سامنے۔ لبِ دریا ایک روضۂ کہنہ میں محوِ خواب استراحت ہے!

دریا درونِ کوزہ

احتشام خاں کی سینتالیس ۴۷ سالہ خدمات کا تجزیہ نہایت اختصار کے ساتھ کیا جائے تو قریب قریب یہ ہوگا کہ سنہ ۱۰۲۸ھ سے سنہ ۱۰۳۰ھ تک چھوٹی اور معمولی خدمات بجالاتے رہے۔ سنہ ۱۰۳۰ھ سے سنہ ۱۰۳۵ھ تک نظامت سرکار بدایوں کا بوجھ نہایت خوش انتظامی کے ساتھ اُٹھایا کیئے۔ سنہ ۱۰۳۵ھ سے آغاز سنہ ۱۰۳۷ھ تک بنائے شیخوپور اور حصول تبرّکات بابا صاحب گنجشکر میں مصروف رہکر اولاد بابا صاحب کے لیئے ایک خاندانی و معاشرتی رتبہ علٰحدہ طور پر قایم کرتے رہے۔ سنہ ۱۰۳۷ھ کے اختتام پر شاہجہاں کے لیئے آصف خاں کے زیر سایہ شہریار و نورجہاں کے مقابلہ میں، سینہ سپر بنے۔ پھر سات سال کے سکوت کے بعد سنہ ۱۰۴۴ھ میں نواح دہلی کو باغیوں کے

وجود سے صاف کرنے میں مصروف رہے۔ ۱۰۴۴ھ
سے ۱۰۴۵ھ تک جھجار سنگھ بندیلہ کے مقابلہ میں جنگ
آزمائی کرتے رہے۔ ۱۰۴۵ھ کے آخر میں تسخیر سنگمنیر میں
اظہار شجاعت کیا۔ ۱۰۴۶ھ میں ناسک کے گورنر مقرر ہوئے
اور تمام نواح ناسک میں امن و انتظام پھیلانے میں سرگرم
رہے! اسی سال کے آخر میں فساد جنید وار کے فرو کرنے
میں سرگرم رہے۔ ۱۰۵۰ھ میں تنبیہ ہزارہ جات میں لشکر کش
ہوئے۔ ۱۰۵۱ھ میں مہم مئو میں سرفروشی کے ساتھ سرگرم
پیکار رہے اور دو سال اسی مہم میں مصروف رہے۔
۱۰۵۲ھ میں تاخت کابل میں مستغرق رہے۔ ۱۰۵۴ھ
میں ناظم دار الخلافۃ اکبر آباد مقرر ہوئے۔ ۱۰۵۵ھ میں سات
امیران نامی کے سردار بنا کر مہم بلخ و بدخشاں پر روانہ کئے گئے
اور ۱۰۵۸ھ تک مشغول پیکار رہے۔ ۱۰۵۸ھ سے ۱۰۶۶ھ
تک معزول رہے۔ ۱۰۶۷ھ میں دوبارہ بحال ہو کر بنارس
پر شجاع کے مقابل صف آرا ہوئے اور اخلاص خاں کے
خطاب کے ساتھ صوبہ دار پٹنہ مقرر ہوئے۔ ۱۰۶۸ھ میں
معرکۂ سموگڑھ میں عالمگیر کی طرف سے ہراول میں مقرر ہوئے

اور محاصرہ الہ آباد میں مصروف رہکر احتشام خاں کا خطاب پایا۔
۱۰۶۹ھ میں مہم شجاع میں ہراول عالمگیری میں متعین ہو کر بے نظیر
استقلال و شجاعت کا اظہار کیا۔ ۱۰۶۹ھ سے ۱۰۷۰ھ تک
شاہزادہ محمد سلطان کے ساتھ تعاقب شجاع اور مہم بنگالہ میں
عرق ریز رہے۔ ۱۰۷۰ھ سے ۱۰۷۲ھ تک میر جملہ کے تنگ
کی وجہ سے دست کش اور گوشہ گزین رہے۔ ۱۰۷۲ھ سے
مہم آسام پر روانہ ہوئے اور ۱۰۷۴ھ تک اختصاص خاں،
راجہ امر سنگھ نروری وغیرہ منصب دارانِ ماتحت کی کومک
کے ساتھ محافظت جہانگیر نگر کی ذمہ داری اُٹھائے رہے۔
۱۰۷۴ھ ہی کے آخر میں سیواجی کے مقابلہ پر روانہ کئے گئے
اور پونا کی تھانہ داری کے معزز عہدہ پر مقرر ہوئے۔ ۱۰۷۵ھ تک
پانچ امرائے نامی اور چار ہزار کی جمعیت کی سرداری کے
ساتھ پونا کی تھانہ داری کی باگ سنبھالے رہے اور اسی سال
داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون ٥
دور اکبری کے اختتام پر وہ گہوارۂ خورد سالی میں دنیا سے
بے خبر تھے، دور جہانگیری کے اختتام پر نوّاب فرید ناظم
سرکار بداؤں اور "ایک ہزار ذات و چار سو سوار" کے منصب دار

بن چکے تھے؛ دورِ شاہجہانی ختم ہوا تو منصب "دو سہ ہزاری ذات و دو ہزار سوار" کے ساتھ اخلاص خاں کے خطاب سے صوبہ دار پٹنہ تھے؛ عالمگیری آٹھ سال نے ان کو "چہار ہزار ذات و سہ ہزار و پانصد سوار" کے اعلیٰ منصب کے ساتھ پونا کی تھانہ داری تک پہنچا دیا!! جہانگیری فرمان میں "نتیجۃ الامراء العظام۔ سلالۃ الاماجد الکرام۔ شایستہ تربیت خسروانہ، سزاوارِ عاطفت شاہانہ" کے خطاب سے مخاطب بنایا گیا ہے۔ شاہجہانی دور میں "خانہ زادِ لایق العنایۃ والمراحم" اور دوسری مرتبہ "شہامت شعار۔ بسالت آثار۔ لایق العنایہ والاحسان۔ قابل المرحمہ والامتنان" کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔ سب کے آخر میں دورِ عالمگیری کا فرمان "شیخت پناہ۔ رفعت و نجابت دستگاہ۔ نتیجۃ الاکابر۔ خلف الاماجد۔ فرزندی اعزی" کے معزز خطاب سے پکارتا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ یہ کہ خود شاہنشاہِ عالمگیر کا قلم مبارک "اقبال آثارا" اور "فرزند" کے خلوص و عزت آمیز لقب سے یاد کرتا ہے!

یہ عزت و مرتبہ تھا اور یہ خدماتِ سرفروشی و جاں فدائی تھیں اُس شخص کی جس نے اپنی تمام عمر وقفِ خدماتِ تاج و تخت کر دینے

کے بعد اپنی آنے والی نسلوں کے لئے ایک مستقل اور قابل لحاظ اعزاز و مرتبہ ۔ پولیٹیکل، سوشیل، اور خاندانی ۔ ہمیشہ کے لئے چھوڑا! جس نے اپنی عمر کی مدت نہایت کامیابی، ترقی، انتظام خوش فکری، اور اعزاز کے ساتھ بسر کی، جو اب ڈھائی سو برس سے اپنے آباد کئے ہوئے چھوٹے سے قصبہ کے سامنے بہنے والی ندّی کے کنارے پر محو خواب استراحت ہے اور اس کے روضۂ بوسیدہ کا گنبد و در و دیوار شکستہ بدایوں سے آنے والے کی نظر کو اپنی طرف سب سے پہلے کھینچتا ہے اور شاید سننے والے سے کہہ دیتا ہے کہ "فاعتبروا یا اولی الابصار!"

اَللّٰہُ بَاقی !

مِنْ کُلِّ فانی !!

(۲)

اقاربؔ و اولاد

نوّاب فرید کے عزیز و اقارب کا ذکر اس کتاب کے پہلے حصّہ میں جستہ جستہ اکثر آچکا ہے! نظرِ غور اُن مقامات کو اگر دماغ میں محفوظ کر سکے تو خاندان متعلقہ کی عزت و حیثیت کا مجمل سا خاکہ پیش نظر ہو سکتا ہے۔ فرید کے والد ماجد شیخ جیون یعنی نواب قطب الدین خاں شیخ خوبو۔ جس پایہ و مرتبہ کے شخص تھے اُس کے لئے توزک جہانگیری محض کافی ہوگی!

بادشاہانِ خود مختار کا کسی کو "بھائی بیٹے" کے نام سے پکارنا اُس زمانہ کی معراجِ کمال تھی! جہانگیر عمر میں ان سے بدرجہا چھوٹا سہی لیکن شاہنشاہِ خود مختار تھا اور شاہنشاہ اپنے رعایا کے پسندیدہ افراد کو "بیٹوں" سے بہتر کوئی اور لقب نہ زمانہ ماضی میں دے سکے اور نہ اب وقتِ حاجت دے سکتے ہیں۔

اس لحاظ سے ہر فردِ معزز کو بلا لحاظِ سن خصوصیت و الطافِ خسروانہ کے اعتبار سے بیٹے یا بھائی کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جہانگیر

اُسی طرح ان کو "بھائی بیٹا"، لکھتا ہے جس طرح عالمگیر نواب فرید کو "فرزند"! قطب الدین خاں پنج ہزاری تھے اور ان کے اقتدار کی تصویر ہم بہت کچھ موقعہ و محل کا لحاظ رکھکر کھینچ چکے ہیں البتہ بقیہ افرادِ ہمعصر کی مختصر پوزیشن یا عزت علٰحدہ علٰحدہ اب پیش کشِ ناظرین کیجاتی ہے! ماثرالامرائے تیموری اس حصہ میں ہمارے مواد کا جزو غالب ہی! :-

علاءالدین اسلام خاں[1]

یہ نام اکبر و جہانگیر کے دور میں ایسا ممتاز اور معزز نظر آتا ہے

کہ شاہی خاندان کو جدا کر کے مشکل سے دو چار امرا اور اس پایہ کے مل سکتے ہیں جو ہر لحاظ سے ہم پلہ بن سکیں! علاءالدین حضرت سلیم چشتی کے پوتے اور نواب فرید کے ماموں تھے! صمصام الدولہ کے الفاظ ہیں کہ اخلاق مرضیہ کی وفور اور صفات پسندیدہ کی افزونی کے بدولت اقارب و عشائر میں سرفراز تھے؛ جہانگیر

نمبر ۱ - ماثرالامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۱۸ ملاحظہ ہو - اسلام خاں کا تمام و کمال حال قریب قریب صمصام الدولہ کا لفظی ترجمہ ہی!"

جنت مکانی سے کوکلتاشی کی نسبت بھی تھی، پادشاہی کے منصب اور مخصوص عزت و اعتبار سے مالامال تھے، علّامی فہّامی ابوالفضل کی ہمشیرہ ان سے منسوب تھیں! جہانگیر کے تخت نشینی پر اسلام خاں کے خطاب کے ساتھ "پنج ہزاری" منصب مقرر ہوا اور صوبہ دار بہار بنائے گئے! جہانگیر قلی خاں لالہ بیگ کے انتقال پر بنگالہ کی مملکت وسیع کے صاحب صوبہ مقرر ہوئے! عثمان خاں کی سرکوبی کے لئے کمر ہمّت باندھی اور شیخ زادوں کے لشکر کے ساتھ ایسا جانبازانہ مقابلہ کیا کہ ہمیشہ ہمیشہ صفحۂ تاریخ پر زندہ رہے گا! عثمان خاں کے استیصال کے صلہ میں۔ سال ہفتم جہانگیری میں منصب ششش ہزاری پر ترقی ہوئی۔ ان کا صلاح و اتقّا اس درجہ کا تھا کہ غالباً مدت العمر میں کبھی مسکر و منہی کا ارتکاب اُن سے سرزد نہیں ہوا۔ ان تمام اوصاف کے باوجود صوبہ بنگالہ کی تمام رقّاصہ طوائف کو اسّی ہزار روپیہ ماہوار پر نوکر رکھا تھا اور ایک سال میں نو لاکھ ساٹھ ہزار روپیہ ان کو دیدیا! فیّاضی کی یہ کیفیت تھی کہ ملازم زیور سے بھرے ہوئے خوان لئے کھڑے رہتے تھے اور یہ جس کسی سے خوش ہوتے فوراً خوان انعام میں دیدیتے! تزک امارت

کی یہ حالت تھی کہ جھروکہ و غسل خانہ کی رسوم جو لازمہ سلاطین
تھیں عمل میں لاتے تھے۔ ہاتھیوں کو لڑانے کے شایق
تھے۔ لباس میں تکلف نہیں کرتے تھے۔ ان کے دسترخوان
پر ایک ہزار نفوس کا کھانا لنگر کے طور پر اُٹھتا تھا۔ لیکن خود
ان کے سامنے جوار باجرے کی روٹی، ساگ اور ساٹھی
کے چانولوں کا خشکہ رکھا جاتا تھا۔ اُن کی ہمت و سخاوت
نے جودِ حاتم کی داستان پر پانی پھیر دیا تھا۔ صوبہ داری
بنگالہ کے زمانہ میں اپنے منصب داروں اور نوکروں کو
دو دو سو ہاتھی بخش دیتے تھے! ہمیشہ ۲۰ ہزار نفوس شیخ زادہ
سوار و پیادہ کی طرح اپنی فوج میں موجود رکھتے تھے! ان
کے انتقال کا واقعہ جو جہانگیر نامہ اور تزک جہانگیری دونوں
میں درج ہے نہایت غیر معمولی اور تصرف باطنی کا اعلیٰ نمونہ
ہے! سال ہشتم جہانگیری میں۔ یعنی ۱۰۲۲ھ میں۔ ان
کے ایام زندگی اختتام کو پہنچ گئے ان کی نعش فتحپور سیکری کو
منتقل کی گئی جہاں ان کا مقبرہ عالی اس وقت تک بفضلہ موجود
ہے! فی الحقیقت علاء الدین اسلام خاں کے کارنامے
اس لایق نہیں ہیں کہ باوجود اختصار کے تھوڑی سی جگہ میں

سما سکیں۔ ان کی زندگی ایک مستقل اور مبسوط سوانح عمری کے لایق ہی!

اکرام خاں ہوشنگ[۲]

علاءالدین اسلام خاں کے صاحبزادے اور نواب فرید کے ماموں زاد بھائی تھے۔

علّامی ابو الفضل اکرام خاں کے ماموں ہوتے تھے! اکرام خاں آخر عہد جہانگیری میں قلعہ داریٔ آسیر پر مقرر ہوئے؛ ایک مدت تک دکن میں بھی متعیّن رہے؛ شیر خاں تونور کی صاحبزادی ان کی بیوی تھیں! طبیعت کے لحاظ سے سخت گیر تھے۔ اسی سخت گیری کی بدولت جاگیر و منصب سے علیحدہ کر دئے گئے اور بجائے "دو ہزاری ہزار سوار" کے نقدی مقرر ہوگئی! فتحپور واپس آکر حضرت سلیم چشتی قدس سرہ کی تولیت مزار پر بقیہ زندگی بسر کردی سالِ بست و چہارم میں انتقال کر گئے! (چوبیسویں سال سے سنہ جلوس شاہجہانی

نمبر ۲۔ اکرام خاں اور شیخ معظم دونوں کا حال مآثر الامرا میں علاءالدین اسلام خاں کے تحت میں درج ہی۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۔۔۔ حبہ نوٹ نمبر ۱ ملاحظہ ہو۔

مراد ہیں)

شیخ معظم[۲]

اکرام خاں کے بعد ان کے برادر علاتی شیخ معظم روضۂ مقدس کی تولیت سے سرافراز ہوئے! سال بست و ششم جلوس شاہجہانی میں فتحپور کے فوجداری پر متعین ہوئے اور "ہزاری وہشت صد سوار" کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! جنگ سموگڑھ میں عین گرمیٔ کارزار میں نہایت مردانگی کے ساتھ جان پر کھیل گئے!

محتشم خاں شیخ قاسم[۳]

علاء الدین اسلام خاں کے سگے بھائی اور نواب فرید کے ماموں تھے! سنہ ۳ جلوس جہانگیری میں "ہزاری ذات و پانصد سوار" کے منصب پر متعین ہوئے! سنہ ۵ میں دو سو کا ذات میں اور پچاس کا سوار میں اضافہ ہوا! سنہ ۸ میں نظم صوبہ بنگالہ پر مامور ہوئے! سنہ ۹ میں "چہار ہزاری ذات" اور "چہار ہزار سوار" کے

نمبر ۳ - ماثر الامرائے تیموریہ جلد سوم صفحہ ۳۵۵ ملاحظہ ہو!

منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! بنگالہ کی رعایا ان کی روش سے کچھ ناراض ہو چلی اور ملک آسام کی تسخیر پر جو فوج انھوں نے روانہ کی تھی وہ بھی شب خون کے نذر ہو گئی ان ہی وجوہات نے جہانگیر کی طبیعت کو مکدر کر دیا۔ تعلقہ مذکورہ سے تغیر ہوا تھا جہانگیر کے حکم سے مگر ان ہی ایام میں اس عالم فانی سے انتقال ہوا احکم الحاکمین کے حکم سے!

معظم خاں شیخ بایزید

یہ بھی حضرت سلیم چشتی کے پوتے اور نواب فرید کے ماموں تھے! ان کی والدہ نے بھی جنت مکانی جہانگیر کو دودھ پلایا تھا! عرش آشیانی اکبر کے اواخر عہد میں منصب دو ہزاری سے فائز تھے۔ جہانگیر کی تخت نشینی پر "سہ ہزاری" کا منصب اور معظم خاں کا خطاب ملا! ۳ سنہ جلوس جہانگیری میں وہ "چہار ہزاری" ذات اور "دو ہزار سوار" کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! اس کے بعد صوبہ داری دہلی پر مامور و مفتخر ہوئے!

نمبر ۴ - ماثر الامرائے تیموری جلد سوم صفحہ ۳۶۵!

مکرّم خاں[۵]

معظم خاں شیخ بایزید کے لڑکے اور علاء الدین اسلام خاں کے داماد تھے! رشتہ کے لحاظ سے نواب فرید کے ماموں زاد بھائی ہوئے! ایک مدت تک اپنے خسر اسلام خاں کی صوبہ داری کے زمانہ میں بنگالہ میں مصروفِ خدمات رہے! کوچ ہاجو کی مہم میں نہایت ثابت قدمی کے ساتھ تردد بلیغ کا اظہار کیا اور پری چھت زمیندار کو پکڑ کر ناظم کے سامنے لائے! اسلام خاں کے بعد جب محتشم خاں شیخ قاسم صوبہ دار بنگالہ مقرر ہوئے تو ان کی بدمزاجی سے آزردہ ہوکر روانۂ بارگاہ ہوئے! ۲۱ سنہ جلوس جہانگیری میں بنگالہ کی صوبہ داری خانہ زاد خاں کے تغیر پر ان کو مرحمت ہوئی اور ان کے نام فرمان جاری ہوا! مکرّم خاں کشتی پر سوار ہوکر استقبال کے لئے چلے۔ اسی اثناء میں نماز عصر کا وقت آگیا اور انھوں نے ملّاحوں کو حکم دے کر کشتی کنارہ کے

نمبر ۵- مکرم خاں کا حال بھی معظّم خاں کے تحت میں ملے گا ملاحظہ ہو ماثرالامرا مندرجۂ نوٹ نمبر ۴ !

قریب فریضۂ عصر ادا کرنے کے لئے ٹھہر والی! ہوائے تند و تیز نے کشتی کو شورش تلاطم کے نذر کر دیا اور مکرم خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ غریق بحر فنا ہو گئے!

شجاعت خاں رستم زماں

ان کا اصلی نام شیخ کبیر تھا! علاء الدین اسلام خاں کے نہایت قریب کے عزیز تھے! عہد اکبری کے عمدہ منصب داروں میں سے تھے! دور جہانگیری میں اور زیادہ ترقی کر گئے! نہایت شجاع اور دلیر تھے! اسی کی وجہ تھی کہ خان جہاں لودھی کو ان کی شہامت و بُردلی پر بڑا اعتماد تھا! جب خان جہاں فوج جرار کے ساتھ دکن پہ متعین ہوا تو اُس نے کل فوج کی ہراولی پر شجاعت خاں کو متعین کیا۔ یہ عہدہ ہمیشہ سے سادات بارہا کو ملتا آتا تھا اور شجاعت خاں ہی سب سے پہلے شخص تھے جو اس پر مامور ہوئے۔ سادات بارہہ کو اس تقرر سے بہت کچھ

نمبر ۶ - ملاحظہ ہو ماثر الامرائے تیموری جلد دوم صفحہ ۶۳۰ - اور تزک جہانگیری - اور جہانگیر نامہ !!

ملال ہوا لیکن خان جہاں نے ایک نہ سُنی! اس کے بعد شجاعت خاں بنگالہ میں متعین ہوئے اور اسلام خاں اپنے عزیز قریب کے پاس پہنچ گئے! اسلام خاں نے جب عثمان خاں لوہانی کے مقابلہ میں سنہ ۶ جلوس جہانگیری میں بڑے بڑے امرائے نامی کو نامزد کیا تو ان سب کی سرداری شجاعت خاں کو تفویض فرمائی! جب شجاعت خاں عثمان خاں افغان کی سرحد میں داخل ہوئے تو عثمان خاں نشۂ نخوت وغرور میں سرشار سطوت وشوکت کے ساتھ ترتیبِ صفوف میں مصروف ہوا اور میدان گرم ہوا! ہر فوج اپنے مقابل کی فوج سے گتھ گئی۔ نہایت سخت معرکہ ہوا۔ عثمان خاں نے فیل مست جنگی کو سامنے رکھکر ہراول پر حملہ کیا۔ اکثر امرائے نامی جن میں نواب فرید کے حقیقی بڑے بھائی کشور خاں سردار جرانغار بھی تھے نہایت بہادری وثابت قدمی کے ساتھ مردانہ وار اپنے ولی نعمت کے کام آئے! عثمان خاں نے کشت وخون کا مطلق لحاظ نہ کرکے دوبارہ شجاعت خاں کی فوج کے قلب پر حملہ کیا اور شجاعت خاں کے عزیز واقارب تمام کام آگئے اسی وقت عثمان خاں ہاتھی کے حوضہ میں بیٹھا ہوا شجاعت خاں پر جھپٹا۔ شجاعت خاں نے اول نیزہ ہاتھی کے سر پر مارا اس کے

بعد تلوار کے دو زخم ہاتھی کے منہ پر لگائے۔ پھر جمدھر کھینچکر دو اور
زخم لگائے۔ ہاتھی نے جھلاکر آگے قدم بڑھایا اور شجاعت خاں
کے گھوڑے کو الٹ دیا۔ شجاعت خاں نہایت پھرتی کے ساتھ
بجلی کی طرح گھوڑے پر سے کود کر علیحدہ کھڑے ہو گئے شجاعت خاں
کے جلودار نے اسی ہنگامہ میں شمشیر دودستی سے ہاتھی پر ایسا
وار کیا کہ اُس کے گھٹنے ٹک گئے اور شجاعت خاں نے ساتھ ہی
فیلبان کو ہاتھی پر سے کھینچ لیا اور جمدھر کا ایسا زبردست ہاتھ ہاتھی
کی سونڈ پر مارا کہ وہ چیختا چنگھاڑتا چند قدم پسپا ہو کر گر گیا۔ عثمان خاں
کے ہوش و حواس غائب ہو چکے تھے پیام اجل ایک تیر کی صورت
میں پہنچا اور پیشانی میں ترازو ہو گیا۔ کاری زخم کھاکر عثمان خاں
اپنے خیمہ تک پہنچا تو سہی لیکن آدھی رات کو اُسے دنیا سے کنارہ
کرنا پڑا! ولیخاں عثمان خاں کا بھائی اور ممریزخاں عثمان خاں کا
لڑکا خیمہ و اسباب کو چھوڑ کر عثمان خاں کی نعش لئے ہوئے بھاگے!
شکست ہو چکی تھی عثمان خاں نے تعاقب کر کے بھاگنے والوں
کو بھی جالیا! ولیخاں کی نجات اطاعت ہی میں تھی؛ عہد و پیمان
ہوئے اور اُنچاس ہاتھی اُس نے شجاعت خاں کی نذر دیئے!
اس بینظیر بہادری و شجاعت کے عیوض میں دربارِ جہانگیری سے

"رستم زماں خاں" کا خطاب عنایت ہوا اور منصب وجاگیر میں اضافہ ہوا! چونکہ اسلام خاں نے تمام اسیرانِ جنگ کو روانۂ بارگاہ کیا اور اس عہد وپیمان کا جو شجاعت خاں نے اُن سے کیئے تھے لحاظ نہیں کیا اس لئے شجاعت خاں کبیدہ خاطر ہو کر بنگال سے چلے آئے! اُن ہی ایّام میں صاحب صوبگی بہار کا فرمان پہنچا اور وہ بہار کی طرف چلے! جس دن شہر پٹنہ میں ایک ہتھنی پر سوار داخل ہو رہے تھے کہ اتفاق سے ایک ہاتھی دوڑ پڑا۔ شجاعت خاں گرے۔ پاؤں ٹوٹا۔ اور اسی میں دنیائے ناپائدار سے کوچ کر گئے! کل من علیہا فان!!

کشور خاں شیخ ابراہیم

نواب قطب الدین خاں شیخ خوبو گورنر بنگالہ کے لڑکے گویا نواب فرید کے حقیقی بڑے بھائی تھے! اپنے والد ماجد کی حیات میں ہی خدمات تاج وتخت بجالانے کے قابل ہو گئے تھے اور ان کی زندگی میں ان ہی کے سامنے محوِ خدمات رہے! چنانچہ بنگالہ کی صاحب

بشہرہ۔ ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۹۸!

صوبگی کے زمانہ میں بھی یہ اپنے والد ماجد کی خدمت میں موجود تھے اور جس وقت شیر افگن خاں کے مکر لے ان کے والد ماجد کا خاتمہ کر دیا تو یہ ہی اس خبر جگر خراش کو لئے ہوئے واپس آئے تھے! یہ ہی وہ شیخ ابراہیم ہیں جن کے نام سے نواب قطب الدین خاں نے اپنے زمانۂ نظامت میں بدایوں میں محلہ براہیم پور بسایا تھا جو اب تک اسی نام سے موسوم ہے! ا سنہ جلوس جہانگیری میں پہلے مرتبہ ان کا منصب "ہزاری سہ صد سوار" مقرر ہوا اور "کشور خاں" کا خطاب عطا ہوا۔ انھوں نے اپنے والد ماجد کی شروع کردہ تعمیرِ جامع مسجد بدایوں کو قریب قریب تکمیل تک اپنی زندگی میں پہنچا دیا تھا، یہ تعمیر شیخ فیض اللہ چشتی کے عہد میں اتمام کو پہنچی! جامع مسجد بدایوں میں شمالی ستون پر جو کتبہ نثر میں کندہ ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر کا اہتمام نواب قطب الدین خاں کی زندگی میں بھی شیخ ابراہیم ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنوبی ستون پر جو رباعی کندہ ہے اُس میں "خانِ کشور" کا نام صاف طور پر موجود ہے اور یہ ہی وہ "خان کشور" یا کشور خاں ہیں! ۳ سنہ جلوس جہانگیری میں رہتاس کے

قلعہ دار مقرر ہوئے سنہ ۴ میں ترقی ہو کر "دو ہزاری دو ہزار سوار" کا منصب مقرر ہوا! سنہ ۲ میں عثمان خاں افغان سے مقابلہ کے لئے شجاعت خاں کی ہمراہی میں روانہ ہوئے اور سرداری جرانغار کے فرائض بہادری و پامردی کے ساتھ ادا کرنے میں کام آئے!

اخلاص خاں شیخ اللہ دیا

شیخ ابراہیم کشور خاں کے لڑکے۔ یعنی نواب فرید کے حقیقی بھتیجے تھے! غالباً کشور خاں کے مارے جاتے ہی دربار جہانگیری سے ان کا منصب بطور پرورش مقرر ہو گیا تھا: ان کا مفصل حال مستند کتب تواریخ میں دور شاہجہانی میں ملتا ہے!

سنہ ۸ جلوس شاہجہانی میں اپنے چچا نواب فرید کے ساتھ شاہزادہ محمد اورنگ زیب کی فوج میں متعین ہو کر جھجار سنگھ بندیلہ کی تنبیہ کے لئے شریک مہم ہوئے! سنہ ۱۷ جلوس میں ترقی ہو کر

نمبر ۸ - مآثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۱۹۸! - نیز بادشاہ نامہ ملا عبد الحمید دوم جلد، صفحات ۳۴۴ - ۳۷۹ - ۴۱۱ - ۴۸۴ !

"ہزار و پانصدی - ہزار سوار" منصب قرار پایا اور کالنجر کی
تعلقہ داری عنایت ہوئی! سنہ ۱۸ جلوس میں تسخیر بلخ و بدخشاں
پر شاہزادہ محمد مراد بخش کے ساتھ نامزد ہوئے اور منصب میں
اضافہ ہو کر "دو ہزاری - ہزار سوار" کا رتبہ اور اخلاص خاں کا خطاب
ملا - اس مہم میں بھی یہ فی الحقیقت نواب فرید کے ساتھ تھے!
سنہ ۲۰ جلوس میں جملۃ الملک علّامی سعد اللہ خاں کی تجویز پر
جو شاہزادہ مراد کی واپسی پر بلخ کے بندوبست کے لئے متعیّن
ہوئے تھے - ان کے منصب سابقہ میں "پانصد سوار" کا اضافہ
ہوا! سنہ ۲۱ جلوس میں حکم شاہی کے بموجب شاہزادہ محمد اورنگزیب
سے جدا ہو کر بارگاہِ شاہی میں حاضر ہوئے اور علم بیش بہا کے
عطیّہ سے سرفراز ہوئے! سنہ ۲۲ جلوس میں پھر ترقی ہوئی اور
"دو ہزار و پانصدی - دو ہزار سوار" منصب مقرر ہو کر شاہزادہ
اورنگ زیب کے ساتھ مہم قندھار بھیجے گئے! سنہ ۲۳ جلوس میں "پانصدی"
کا اضافہ ہوا! سنہ ۲۵ جلوس میں شاہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ دوبارہ مہم قندھار
پر روانہ ہوئے اور اسی سال خدمات پسندیدہ کے صلہ میں دربار شاہجہانی سے
نقارہ عنایت ہوا! سنہ ۲۶ جلوس میں تیسری مرتبہ پھر مہم قندھار پر شاہزادہ دارا شکوہ کے
ساتھ نامزد ہوئے اور خلعت شاہی معہ اسپ با زین نقرہ کے عطیہ سے ہم چشموں سے فوق

لے گئے! اس کے بعد قندھار سے رستم خاں کے ساتھ بست گام کی تسخیر پر روانہ ہوئے! سنہ ۸ جلوس میں جملۃ الملک کے ساتھ قلعہ چتوڑ کی فتح پر نامزد ہوئے! سنہ ۳۰ جلوس میں معظم خاں کے ہمراہ مہم دکن کی کمک پر بھیجے گئے اور شاہزادہ اورنگ زیب کی خدمت میں پہنچے جو اُس زمانہ میں ناظم دکن تھا! اسی زمانہ میں شاہزادہ کی فوج میں شامل ہو کر عادل خانیوں کے محاربہ میں نہایت بہادری کے ساتھ لڑ کر ان پر نیزہ کا زخم کھایا! ان خدمات غیر معمولی کے ظہور پر سنہ ۳۱ جلوس میں دو سہ ہزاری - ہزار سوار،، کے منصب سے بہرہ اندوز ہوئے! افسوس ہے کہ ان کا پورا حال کتب تواریخ میں نہ مل سکا اور صمصام الدولہ نے بھی مآثر الامراء میں دو تتمہ احوالش بملاحظہ نیامدہ" لکھکر ناتمام ہی چھوڑ دیا! خدا ہی جانے تاریخ کی بربادی کے ساتھ کیسے کیسے زندہ رہنے والے نام مٹ گئے! اخلاص خاں کا خطاب نواب فرید کو بھی سنہ ۳۱ جلوس شاہجہانی میں ملا تھا مگر فی الحقیقت یہ خطاب عارضی اور چند دن رہا - ان کا اصلی اور مستقل خطاب احتشام خاں - یا محتشم خاں - تھا! اخلاص خاں کا خطاب مستقل طور پر شیخ اللہ دیا کا خطاب تھا اور وہ فرامین

شاہی میں بھی اسی خطاب سے یاد کیئے گئے ہیں! بدایوں میں
اخلاص خاں کا روضہ نہایت مشہور عمارت ہے اور یہ نامور شخص
اُسی روضہ میں سوتا ہے جو محلہ براہم پور میں موجود ہے۔ ان کی
مفصّل داستان بھی ایک سوانح عمری بنا سکتی ہے مگر ہم محض
ان کا اقتدار و منزلت ظاہر کرنے کی غرض سے ایک فرمان
شاہی بجنسہ پیش کش ناظرین کیئے دیتے ہیں جس کے الفاظ
سمجھنے والے کو بہت کچھ بتا سکتے ہیں:۔

منظور الانظار الخاقانیہ۔ لایق العنایات السلطانیہ۔
مورد مراحم خسرواں۔ سزاوار الطافِ نمایاں۔
قابل اقسام عنایت واحسان۔ شجاعت شعار۔
عقیدت و اخلاص آثار اخلاص خاں۔ بوفور
توجّہات سلطانی مفتخر و ممتاز گشتہ بداند کہ حسن
عقیدت و صدقِ اخلاص آں قابل المرحمہ ہموارہ
در باطن قدسی مواطن بر وجہ احسن جلوہ ظہور دارد۔

نمبر۹۔ یہ فرمان بھی بڑی کوشش و وقت کے بعد سید محمد صاحب کو دستیاب ہو سکا۔ فی الحال اُن ہی
کے قبضہ میں ہے۔ فی الحقیقت فرامین کی فراہمی بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا پھر بھی بعض فرامین حضرات
قابضین کی خستت طبع کی بدولت نہ مل سکے! خدا جانے یہ قابل افسوس ہے یا لایقِ شرم!

کمال توجہ و عنایت نسبت بآں شجاعت شعار

داریم و از بندہائے صادق الاخلاص درگاہ والا

میدانیم۔ چوں درینولا فرمان قضا جریان قدر توامان

شرف نفاذ یافتہ و حکم والا صادر گشتہ کہ جمعی از جملہ

بندہائے بادشاہی تعینات بلخ و آں حدود بودہ

اند بآنہا مقرر نماید کہ با جمعیت خود از آب اٹک

گذشتہ و در حسن ابدال بملازمت فیض موہبت

سرافرازی یافتہ روانۂ درگاہ معلّی شوند۔ آں الایق العنایت

را نیز طلب فرمودہ اند۔ باید کہ بموجب حکم جہاں مطاع،

عالم مطیع، روانۂ درگاہِ آسمان جاہ، کیوان بارگاہ،

گردد۔ توجہ و عنایت خاص را نسبت بخود روز

افزوں شناسد۔ تحریراً فی تاریخ ماہ شوال ۱۰۵۶ھ

مذکورالصدر حالات محض مختصر نوٹ ہیں جو میں نے نواب فرید کے اقارب

کی عزت و اقتدار کی مجمل تصویر کھینچنے کے لئے کم سے کم الفاظ میں لکھ دئیے ہیں!

حالات ہی کا اختصار نہیں کیا ہے بلکہ فی الحقیقت بہت نام نظر انداز کر دئیے

ہیں جو بفضلہ ابتک تاریخ مستند میں زندہ ہیں! محض ایسے نام پیشکش

ناظرین کئے گئے ہیں جو نواب فرید کے نہایت قریب کے عزیز ہیں!

اُن کے دونوں حقیقی بھائی، اُن کے والد ماجد، ان کے ماموں، ان کے چچا۔ ان سب کی حالتِ اقتدار و مرتبہ سے نواب فرید کے خاندان کا پوزیشن محتاج بحث نہیں رہتا! بابا صاحب علیہ الرحمۃ کی اولاد کے اکثر و بیشتر نفوس میں نے نظر انداز کئے کیونکہ میرے خیال میں وہ نوّاب فرید کے ساتھ قرابت قریبہ نہیں رکھتے تھے! مثلاً غلام محمد خاں[10] فوجدار حاجی پور جن کا وطن جونپور تھا اور جو جنگ شجاع میں عالمگیر پر سے تصدق ہوئے؛ ان کے لڑکے عبدالکریم خاں[10] جو متھرا۔ گوالیار اور کڑہا مانک پور کے فوجدار یکے بعد دیگرے رہے اور راجپوتوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، عبدالکریم خاں کے لڑکے محمد شاہ الملقب بہ شجاعت خاں[10] بہادر جو عدالت بندر سورت کے داروغہ اور بعد میں نیا پورہ دہاتیہ (سرکار سورت) کے فوجدار رہے اور "اہ علیخاں کے خطاب سے ملقب ہوئے، انہوں نے جہاندار شاہ۔ فرخ سیر۔ اور محمد شاہ تک کا زمانہ دیکھا اور برابر خدمات شاہی میں محو رہے، یہ آخر میں منصب پنج ہزاری اور صوبہ داری برار کے معزز عہدہ تک پہنچے! ابوالخیر خاں[11] بہادر امام جنگ بھی بہت بڑے اور نامآور

نمبر ۱۰۔ ماثر الامراء جلد دوم صفحہ ۷۰۸! نمبر ۱۱۔ ماثر الامراء تیموری جلد اول صفحہ ۳۶۳؛ نیز ۳۶۵!!

اشخاص میں سے تھے! ان کے بزرگوں کا وطن اصلی میر پور سرکار خیرآباد (اودھ) تھا مگر شکوہ آباد میں سکونت پذیر ہونے کی وجہ سے شکوہ آبادی مشہور ہو گئے تھے! ان کے والد شیخ بہاء الدین خلد مکان (شاہجہاں) کے عہد میں تعلقہ شکوہ آباد کے منصب دار تھے! ابوالخیر سب سے پہلے منصب "سہ صدی" پر مقرر ہوئے اور ایک مدت تک مرحمت خاں کی رفاقت میں شادی آباد مانڈو صوبہ مالوہ میں رہے جس سال نظام الملک آصفجاہ نے مالوہ سے دکن کا رخ کیا یہ بھی ان کی خدمت میں شامل ہو گئے! مرد سپاہی اور کاردیدہ تھے رائے درست کے بدولت منظور نظر ہو کر بزم مشورت میں دخیل ہو گئے اور "دو ہزار و پانصدی" کا منصب اور خانی کا خطاب معہ جاگیر کے مل گیا! بنی نگر کی فوجداری پہ مقرر ہوئے ۱۱۳۶ھ میں جب آصفجاہ دکن کی طرف دارالخلافہ سے سے چلے تو خواجم قلی خاں کو ہٹا کر دھار کا قلعہ دار اور مانڈو صوبہ مالوہ کا فوجدار ان کو مقرر کیا! رفتہ رفتہ "چہار ہزاری" اور "دو ہزار سوار" کے منصب اور بہادری کے خطاب سے بہرہ اندوز ہوئے! علم و نقارہ بھی عطا ہوا! گاہے گلشن آباد کے فوجدار۔ کبھی خاندیس کے نائب اور چندے بگلانہ کے فوجدار رہے! اس کے بعد شمشیر بہادر کے خطاب سے مفتخر ہوئے۔ اور اس کے بھی بعد نظامت خاندیس پر سرفراز ہوئے!

صلابت جنگ کے ساتھ خدمات پسندیدہ کے اظہار پر
ان کے منصب میں اضافہ ہوکر "پنج ہزاری" اور "چہار ہزار
سوار" مقرر ہوا۔ پالکی جھالردار عطا ہوئی اور امام جنگ کا خطاب
ملا! مرہٹہ قوت سے کرناٹک پر خوب خوب لڑے ہیں:
علمی مذاق سے بھی بے بہرہ نہ تھے ۱۱۶۶ھ میں انتقال کر گئے!
ان کے لڑکے ابو البرکات خاں بہادر امام جنگ اور شمس الدولہ
ابوالخیر خاں بہادر تیغ جنگ تھے دونوں دولتِ نظام الدولہ
آصفجاہ میں محوِ خدمات رہے اور اونچی عزت و اختصاص سے
بہرہ اندوز ہوئے!! مختصر یہ کہ یہ اور ایسے ہی اور سربرآوردہ
اور نامور حضرات، اس کس مپرسی اور ناقدردانی کے زمانہ میں
بھی کبھی کبھی تاریخ کے اوراق میں جلوہ گر ہیں جو اسی خاندان
کی شاخ۔ شجرِ فرید کے ثمرہ ہیں مگر میں ان کو نواب فرید کا عزیز
قریب نہیں سمجھتا اور اسی لئے ان کے مفصل حالات بھی
قلم انداز کرتا ہوں!
نوابِ[۱۲] فرید کی ازواج چار تھیں۔ شادیا نو غالباً پہلی بیوی تھیں

نمبر ۱۲۔ ماخوذ از قلمی تواریخ خاندانی!

اور یہی خاندانی تھیں۔ دوسری شاہ پرور خانم، اعتماد الدولہ آصف خاں کی صاحبزادی اور تاج محل کی بہن تھیں جن کو شادی کے بعد عرف عام میں جانب جی پکارتے تھے یہ بھی عالی النسب تھیں اگرچہ بابا صاحب کی اولاد میں سے نہ تھیں! بقیہ دو بیویاں وہی تھیں جن کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ ان دونوں کے خاندان اور نسل کی نسبت اس سے زیادہ پتہ نہ چل سکا کہ ایک افغانی النسل اور دوسری راجپوت تھیں! اولاد صرف اول الذکر دو بیویوں سے ہوئی اور ان ہی سے نام چلا! شاہ پرور خانم کے بطن سے صرف ایک صاحبزادی بی بی چمنی تھیں اور شاد بانو کے بطن سے شیخ نظام الدین، شیخ عبدالہادی، شیخ نصراللہ اور شیخ افضل چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بی بی متا تھے!

شیخ نظام الدین بڑے لڑکے تھے اور نواب فرید کے سامنے ہی پر پرزے نکال کر محو خدمات ہو چکے تھے، یہ ہی وہ شیخ نظام[۱۳] ہیں جو ۱۰۶۸ھ میں معرکہ سموگڑھ میں اپنے

نمبر ۱۳۔ ملاحظہ ہو ماثر الامرائے تیموری جلد اول صفحہ ۲۲۰!

والد ماجد کے دوش بدوش اظہارِ شجاعت و پامردی کے لئے سینہ سپر رہے اور دربار عالمگیری سے "یک ہزار ذات" اور "چہار صد سوار" کے منصب سے سرفراز ہوئے!

شیخ عبد الہادی دوسرے صاحبزادے تھے۔ یہ بھی نوّاب فرید کی حیات ہی میں روشناس طبقۂ منصبداران ہو چکے تھے۔ قلمی کتب تاریخ خاندانی کا بیان ہے کہ نوّاب فرید نے گوشہ گزینی کے زمانہ میں ان کو روانۂ بارگاہِ عالمگیری کر دیا تھا اور اُسی زمانہ میں ان کا منصب مقرر ہوا تھا۔ خدماتِ پسندیدہ کے بدولت کچھ عرصہ کے بعد خلعت ملنا اور "دیوان" کا خطاب عطا ہونا بھی پایا جاتا ہے! چنانچہ تمام قلمی کتابوں میں ان کا نام عبد الہادی دیوان ہی تحریر ہے! جنگ سفید خاک مضافات غزنین و کابل میں مہلک زخم کھا کر شہید ہونا بھی درج ہے۔ غالباً سفید خاک سے کوہِ سفید مراد ہوگی!

مدفن بھی اُسی جگہ تحریر ہے مگر بعض روایات سے جنگ مذکور کے بعد مفقود الخبر ہو جانا بھی پایا جاتا ہے!

شیخ نصر اللہ تیسرے صاحبزادے تھے جن کے نام سے

موضع نصراللہ پور، شیخوپورسے تین میل مغرب وجنوب کے گوشہ میں۔ اب تک آباد ہے۔ اگرچہ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ اُس کا بڑا حصّہ ان کی اولاد کی ملکیت عرصہ سے نہیں رہا ہے! یہ نواب فرید کے روضہ میں مدفون ہیں! شیخ محمد افضل چوتھے اور سب سے چھوٹے لڑکے تھے جو تارک الدنیا اور درویش منش تھے۔ دنیاوی جھگڑوں سے پاک رہے اور جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔ اپنے والد ہی کے مقبرے میں آرام فرماتے ہیں!

بی بی چمنی۔ یہ غالباً بڑی لڑکی تھیں۔ ان کی شادی شیخ شہاب الدین ابن جہان شاہ [14] سے ہوئی تھی۔ بی بی چمنی کا روضہ سوتھہ محلّہ کے متصل نہایت عمدہ پرانی عمارت اب تک موجود ہے اور چمنی کے روضہ کے نام سے مشہور ہے! اس شہرت و تحقیق کے باوجود مجھے تعجب ہوتا ہے کہ صاحب کنز التاریخ اس روضہ کو خدا جانے کس چمّن خاں کا روضہ بنا دیتے ہیں۔

نمبر ۱۴۔ یہ جہان شاہ وہی ہیں جو شیخ زین العابدین المعروف بہ شیخ زین کے صاحبزادے تھے۔ "آبا و اجداد" کے باب میں مخدوم شیخ زین العابدین کا حال آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اور اب پھر دیکھ سکتے ہیں!

افسوس ہے کہ تاریخ نگاری میں بھی عجلت اور خدا جانے کن کن عادات کو دخل دینے کی اجازت دیدی جاتی ہے! حافظ فضل اکرم صاحب مرحوم نے "آثار بدایوں" میں اس کی تصحیح بھی کر دی ہے! مجھے تعجب ہے کہ روضۂ چھمنی کے طرز عمارت اور گنبد کے رنگ و صورت پر بھی غور نہ کیا گیا ورنہ بی بی چھمنی مرحومہ کے بجائے چمّن خاں کو اس میں دفن کرنے کی کوشش نہ کیجاتی! لیکن واقعہ یہ ہے کہ کسی کی غلطی۔ یا کسی کی کوشش۔ بی بی چھمنی کو چمّن خاں کا لباس نہیں پہنا سکتی! جو کچھ ہے اظہر من الشمس ہے اور جب تک لیل و نہار اُسے رکھیں گے رہے گا!!

نواب فرید کی اولاد ان کے لڑکوں شیخ نظام، عبدالہادی دیوان اور شیخ نصر اللہ سے چلی! عبدالہادی دیوان کے صاحبزادے شیخ محمد مراد سربرآوردہ اور اپنے زمانہ کے معزز منصب دارانِ شاہی میں سے ہوئے! طبیعت تو چاہتی ہے کہ اس داستانِ پاستان کو زمانۂ موجودہ تک پہنچا دوں مگر "نواب فرید" کی سوانح عمری کا خیال میرے قلم کو روکتا ہے! خیر۔ اگر حیاتِ بے بنیاد و مشاغلِ اوقات کش نے

دم لینے دیا تو اس کا دوسرا حصّہ لکھوں گا اور نواب مرحوم کی موجودہ اولاد تک اس سلسلہ کو تفصیل کے ساتھ پہنچاؤنگا۔

دعا ہے کہ خدا مجھے اس کی توفیق بھی دے اور ہمّت بھی! تاہم نواب مرحوم کی موجودہ اولاد اُن کی سوانح عمری دیکھ کر بہ آسانی سمجھ سکتی ہے کہ وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی! دیکھنے والی نظر کو تو نواب فرید کا عنقریب نابود ہوجانے والا مقبرہ ہی بہت کچھ بتا سکتا ہے لیکن ممکن ہے کہ در و دیوار پر توجہ نہ کرنے والی نظر شاید ان اوراقِ پریشاں میں وہ جوہر دیکھ لے جو فی الحقیقت اُس روضہ کی ایک ایک بوسیدہ اینٹ میں صدیوں سے جھلک رہا ہے! خدا کے فضل سے نواب فرید کی موجودہ اولاد تموّل، عزت، مرتبہ، فارغ البالی، وقت، کسی چیز کی بھی محتاج نہیں ہے لیکن حُبِّ اسلاف اور عزت حقیقی کے سمجھنے سے قاصر ہے! نوّاب فرید کا روضہ کس مپرسی کے عالم میں نیست و نابود ہوکر ہر سال بڑھنے والی ندی کے نذر ہو جائے۔ اُس کے ساتھ متعدد بزرگوں کی قبریں بحرِ عدم میں ڈوب جائیں۔ مگر ہمیشہ زندہ رہنے والے کارنامے اُس وقت تک نہیں مٹ سکتے جب تک کہ بچی کھچی تاریخ

بھی بدمذاقی کے بدولت معدوم نہ ہو جائے! اکثر و بیشتر زندۂ جاوید نام موادِ تاریخ کے فنا ہونے کے ساتھ فنا ہو گئے لیکن اب بھی جو کچھ پھول کسی کسی گوشہ میں کھلے رہ گئے ہیں، شامۂ نورس اور باصرۂ جوہر شناس کو مستِ مئے قومیت کر دینے کے لئے کافی ہیں!!

سب کہاں؟ - کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں۔
خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہو گئیں!!

تمام شد